مختصر

سیرتِ شمس الضحیٰ

تالیف

سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی عفی عنہ

ناشر

بزمِ فیضانِ رضا

طلبۂ دارالعلوم محبوبِ سبحانی، امام احمد رضا چوک نیو مل روڈ کرلا (ویسٹ) ممبئی ۷۰

یقیناً اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں تمھارے لیے عمدہ نمونہ ہے۔ [القرآن]

عوامِ اہلِ سنّت کے لیے ایک تحفۂ نایاب

مختصر

سیرتِ شمس الضحیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تالیف

سید محمد اکرام الحق قادری

مصباحی، عفی عنہ

باشتراک

[نورِ ایمان اسلامک آرگنائیزیشن، کرلا ویسٹ، ممبئی]

ناشر

بزمِ فیضانِ رضا

طلبۂ دار العلوم محبوب سبحانی امام احمد رضا چوک، نیول روڈ، کرلا (ویسٹ) ممبئی ۷۰

جملہ حقوق بحقِ ناشر محفوظ ہیں

کتاب کا نام : مختصر سیرتِ شمس الضحیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

مؤلف : سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی عفی عنہ

صدر المدرسین: دار العلوم محبوبِ سبحانی، کرلا ویسٹ، ممبئی

موبائل:9029249679

کمپوزنگ : بدستِ خود

سیٹنگ : حضرت مولانا نصر الدین صاحب سبحانی

نظرِ ثانی : مفتی محمد فاروق خان مہائمی مصباحی

استاذ و نائب مفتی دار العلوم محبوبِ سبحانی

سن طباعت : ۱۴۴۳ھ ـ مطابق ۲۰۲۱ء

تعداد : 2100

صفحات : 232

قیمت : 200

ملنے کا پتہ : دار العلوم محبوبِ سبحانی، کرلا ویسٹ، ممبئی ۷۰

فہرستِ مضامین

صفحہ نمبر	عناوین	شمار نمبر
15	شرفِ انتساب	1
16	نعتِ پاک	2
18	مقدمہ	3
22	پیشِ لفظ	4
28	**پہلا باب** **حالات وکوائف از ولادت تا وفات**	5
28	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسما والقاب	6
28	اُمِّی لقب سے ملقَّب ہونے کی وجہ	7
30	ولادتِ باسعادت	8
31	شجرۂ نسب	9
31	خاندانی عظمت وبزرگی	10
32	بوقتِ ولادت رونما ہونے والے واقعات	11
32	قبلِ ولادت دنیا کے حالات	12
32	حضرتِ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کی وفات	13
33	دودھ پینے کا زمانہ	14
34	حضرتِ سیدتنا آمنہ سلام اللہ علیہا کا وصال	15

16	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدینِ کریمین کا ایمان	34
17	دادا محترم اور چچا جان کی کفالت میں	35
18	بچپن کی ادائیں	35
19	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے سے بارش کا نزول	35
20	حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا کسبِ معاش	36
21	ملکِ شام کا پہلا سفر اور بحیریٰ راہب	36
22	ملکِ شام کا دوسرا سفر اور نسطورا راہب کا واقعہ	37
23	حضرتِ سیدتنا خدیجہ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں	38
24	مقدس بیٹوں اور پاکیزہ بیٹیوں کی تعداد	38
25	کعبۂ مقدس کی تعمیرِ جدید	39
26	علاماتِ بعثت کا ظہور	40
27	نزولِ وحی کا آغاز	40
28	تبلیغِ اسلام کی ابتدا	41
29	سب سے پہلے کلمہ پڑھنے والے خوش نصیب	42
30	قریبی رشتے داروں میں رسالت کا اعلان	43
31	کھلے عام تبلیغِ اسلام	43
32	رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ظلم وستم کا آغاز	44
33	چند انتہائی شریر کفار	44
34	مسلمانوں پر جاں گداز مظالم	45
35	کفار کا وفد، رسول اللہ کی بارگاہ میں	46

36	چچا ابو طالب کی نصیحت اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جواب	47
37	حبشہ کی طرف ہجرت	47
38	کفار کا سفیر نجاشی کے دربار میں	48
39	حضرت عمر اور حضرت حمزہ آغوشِ اسلام میں	49
40	مسلمانوں کا سوشل بائیکاٹ	51
41	غم کا سال	52
42	رحمتِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف میں	53
43	سفرِ معراج اور دیدارِ الٰہی	53
44	بیعتِ عقبۂ اولیٰ	54
45	مدینۂ منورہ میں اسلام کی روشنی	55
46	بیعتِ عقبۂ ثانیہ	55
47	مدینۂ طیبہ کی جانب ہجرت کا آغاز	57
48	کفارِ مکہ کی روک ٹوک	57
49	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کی سازش	58
50	حضرتِ مولا علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ	59
51	حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت	60
52	صدیقِ اکبر کی بے مثال قربانی	60
53	کفارِ مکہ کی سرگرمیاں	61
54	سَو اونٹوں کا انعام	62
55	حضرت امِّ معبد کی خوش قسمت بکری	63

56	حضرتِ بریدہ اسلمی کا جھنڈا	63
57	اہلِ مدینہ کی بے قراری	64
58	مسجدِ قبا کی تعمیر	64
59	مدینۂ منورہ کی جانب روانگی اور مسجدِ جمعہ کی تعمیر	65
60	حضرتِ ابوایوب انصاری کی ضیافت	66
61	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلِ بیت مدینے میں	67
62	مسجدِ نبوی شریف کی تعمیر	67
63	اذان کی ابتدا	68
64	ایک ہجری کے کچھ اہم واقعات	69
65	یہودیوں سے معاہَدَہ	70
66	طیبہ کے لیے دعائے مصطفیٰ	70
67	تین جاں نثاروں کی وفات	71
68	طیبہ میں سب سے پہلے پیدا ہونے والے صحابی	72
69	قبلہ کی تبدیلی کا حکم	72
70	جہاد کا آغاز	73
71	کافروں کی سازشیں اور مسلمانوں کی تدبیریں	74
72	غزوہ اور سریہ کے درمیان فرق	75
73	غزوۂ بدر	76
74	جنگِ بدر کے اسباب	76
75	مسلمانوں کا جذبۂ جاں نثاری	77

76	میدانِ بدر میں حضور رحمتِ عالم ﷺ کی آمد	77
77	جنگِ بدر کے نتائج	78
78	حضور سیدِ عالم ﷺ کی غیب دانی	79
79	سب سے بہادر صحابی	80
80	فرشتوں کی فوج	80
81	قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک	81
82	دو ہجری کے متفرق واقعات	82
83	غزوۂ احد	82
84	جنگِ احد کے اسباب	82
85	جنگِ احد کے لیے مسلمانوں کا جوش وولولہ	83
86	غزوۂ احد کی ابتدا	84
87	جنگ کا پانسہ پلٹ گیا	84
88	حضور ﷺ کی شہادت کی خبر نے غضب ڈھا دیا	85
89	صحابۂ کرام کا جوشِ جاں نثاری	86
90	حضور کو زخمی کرنے والوں کا عبرت ناک انجام	87
91	کعب بن اشرف یہودی کا قتل	87
92	غزوۂ احد سے متعلق چند اہم واقعات	88
93	جنگِ احد کا درسِ عبرت	89
94	تین ہجری کے متفرق واقعات	90
95	چار ہجری کے اہم واقعات	91

96	غزوۂ خندق کا تعارف	92
97	جنگِ خندق کے چند اہم واقعات	93
98	بے مثال شجاعت	94
99	پانچ ہجری کے مزید کچھ واقعات	95
100	بیعتِ رضوان، پس منظر و پیش منظر	96
101	مقامِ حدیبیہ میں رونما ہونے والے معجزات	98
1402	صلحِ حدیبیہ	99
103	عروہ بن مسعود کی دھمکی	100
104	عروہ بن مسعود ثقفی کے تأثرات	100
105	صلحِ حدیبیہ کی شرطیں	101
106	صلحِ حدیبیہ کی برکتیں	102
107	ایک ایمان افروز واقعہ	103
108	سلاطینِ عالَم کو اسلام کی دعوت	104
109	قیصرِ روم کی عقیدت	105
110	شاہِ ایران کی گستاخی	106
111	شاہِ حبشہ کی خوش بختی	107
112	شاہِ مصر کا حسنِ اخلاق	107
113	گستاخِ رسول، ابورافع یہودی کا قتل	108
114	حضرت عبداللہ بن عتیک آغوشِ کرم میں	109
115	غزوۂ خیبر	110

116	جنگِ خیبر کا سبب	111
117	مسلمانوں کی تیاری	111
118	یہودیوں کی تیاری	112
119	جنگ کی ابتدا	112
120	فاتحِ خیبر	112
121	یہودیوں کی شرارت اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسنِ اخلاق	115
122	جدید احکام کا نفاذ	115
123	فتحِ مکۂ مکرمہ	116
124	فتحِ مکہ کا سبب	116
125	آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینۂ منورہ سے روانگی	117
126	اسلامی لشکر کا جاہ وجلال	118
127	مکۂ مکرمہ میں تاجدارِ کونین کا پہلا فرمان	119
128	مختارِ کائنات کی سادگی	119
129	بے مثال حسنِ سلوک	120
130	جنگِ حنین	122
131	غزوۂ تبوک	123
132	جنگِ تبوک کا سبب	123
133	صحابۂ کرام کی مالی قربانیاں	124
134	جنگِ تبوک کا نتیجہ	124
135	حجۃ الوداع	125

136	وفاتِ اقدس	126
137	بیماری کی مدت اور شانِ صدیقِ اکبر	127
138	حیاتِ ظاہری کے آخری دن کے حالات	127
139	حیاتِ ظاہری کے آخری لمحات	128
140	وفاتِ اقدس کا دن اور تاریخ	129
141	تجہیز و تکفین	129
142	دوسرا باب **سیدِ العالَمین ﷺ کے بعض شمائل و خصائل**	131
143	بے مثال حسن و جمال	131
144	جسم اقدس کی رنگت	134
145	جسمِ اطہر کی طہارت	135
146	جسمِ انور کی نازُکی	136
147	جسمِ اجمل کی لطافت	136
148	جسمِ بے مثل کی خوش بو	137
149	روے منور کی تابانی	138
150	سرِ انور کی موزونیت	138
151	موے مبارَک کی دل کشی	139
152	نورانی پیشانی کی کشادگی	140
153	ابروے مبارک	140
154	مقدس آنکھیں	141

155	پاکیزہ ناک	142
156	روشن وتابناک رخسار	142
157	لبِ اقدس	143
158	دندانِ آب دار	143
159	**تیسرا باب** **حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض تصرفات واختیارات**	144
160	درختوں اور پہاڑوں کا سلام عقیدت	144
161	خداداد طاقت وقدرت	144
162	دستِ اقدس کی عظمت وشان	145
163	بے انتہا خیر وبرکت	146
164	عزت وکرامت کی چابیاں	147
165	زمین کے خزانے	147
166	درختوں کا جذبۂ اطاعت	148
167	جانوروں کی آہ وفریاد	148
168	نور کے چشمے	149
169	خطرناک جانوروں کا جذبۂ اطاعت	150
170	آسمانی دنیا پر حکومت	150
171	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قانون سازی	151
172	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوتِ باصرہ	152
173	بے نظیر قوتِ سامعہ	152

174	بے مثال قوتِ شامہ	153
175	حیران کن قوتِ ذائقہ	154
176	تعجب خیز قوتِ لامسہ	155
177	بے مثال لعابِ دہن	155
178	چوتھا باب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ	158
179	عفوودرگزر	158
180	شانِ جودوکرم	160
181	بے مثال بہادری	162
182	بے نظیر صفتِ حیا	163
183	شانِ تواضع	165
184	صفتِ مزاح وخوش طبعی	167
185	شفقت ورحمت	169
186	وعدے کی پاسداری	173
187	شفقت وصلہ رحمی	174
188	شانِ صداقت وامانت	176
189	شانِ زہدوقناعت	178
190	شانِ استغفاروتوبہ	181

191	**پانچواں باب** **سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اہلِ بیتِ اَطہار**	183
192	اہلِ بیت کا تعارف	183
193	اہلِ بیت کے فضائل	184
194	اہلِ بیتِ کرام کی کچھ خصوصیات	185
195	مقدس اولاد کی تعداد	186
196	مقدس شہزادوں کا مختصر تعارُف	186
197	حضرت سیدتنا زینب کی سوانح	187
198	حضرت سیدتنا رقیہ کے حالاتِ زندگی	188
199	حضرت سیدتنا ام کلثوم کی سیرتِ پاک	189
200	حضرت سیدتنا خاتونِ جنت کی سیرتِ طیبہ	190
201	حضرتِ علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ	192
202	حضرتِ سیدنا امامِ حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ عنہ	197
203	سرکارِ امامِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ	199
204	اَزواجِ مطہَّرات	201
205	حضرت سیدتنا خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	202
206	حضرتِ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	203
207	حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا	204
208	حضرتِ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	205
209	حضرت سیدتنا ام سلمہ رضی اللہ عنہا	206

210	حضرتِ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	207
211	حضرت زینب بن جَحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا	208
212	حضرتِ زینب بنتِ خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	209
213	حضرتِ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	210
214	حضرتِ جویریہ رضی اللہ عنہا	210
215	حضرت سیدتنا صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	212
216	**چھٹا باب** **حضور رحمتِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اَحباب و متعلقین**	214
217	خاص خادموں کے نام	214
218	خصوصی محافظین کے اسمائے گرامی	214
219	کاتبانِ وحی	215
220	دربارِ نبوت کے مخصوص شعرا	216
221	خصوصی مؤذنین	216
222	عشرۂ مبشرہ	217
223	مقدس باندیاں	217
224	چند جاں نثار صحابۂ کرام	218
225	بعض مقدس صحابیات	219
226	مآخذ و مراجع	220
227	تعارف دار العلوم محبوب سبحانی و بزمِ فیضانِ رضا	222

شرفِ انتساب

خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ،
سَيِّدُ الْمُرْسَلِيْنَ،
رَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِيْنَ،
شَفِيْعُ الْمُذْنِبِيْنَ،
اَوَّلُ الشَّافِعِيْنَ وَالْمُشَفَّعِيْنَ،
مُرَادُ الْمُشْتَاقِيْنَ،
شَمْسُ الْعَارِفِيْنَ،
سِرَاجُ السَّالِكِيْنَ،
اِمَامُ الْمُتَّقِيْنَ،
قَائِدُ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِيْنَ،
مُحِبُّ الْفُقَرَآءِ وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ،
نُوْرُ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ،
مَحْبُوْبُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ سَيِّدُنَا وَمَوْلَانَا وَمَلْجَأُنَا وَمَأْوَانَا،

''محمد الصادق الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبد اللہ بن عبد المطلب''

کی بارگاہِ بےکس پناہ میں ایک سیاہ کار امتی کا

''نذرانۂ عقیدت ومحبت''

آپ کی نعلینِ اقدس کا خاک بوس

سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی عفی عنہ

گر قبول افتد زہے عز وشرف

ہوگی نہ کم دلوں سے عقیدت رسول کی

دنیا مٹائے لاکھ محبت رسول کی
ہوگی نہ کم دلوں سے عقیدت رسول کی

اُن جیسا کوئی آیا نہ بزمِ حیات میں
سب سے حسیں ہے سیرت وصورت رسول کی

رحمانی خوش ہوئے ہیں تو شیطانی غم زَدہ
میزانِ خیر و شر ہے ولادت رسول کی

سایہ بھی جب خدا کو گوارا نہیں ہوا
کاغذ پہ کیسے آئے گی صورت رسول کی

رُسوا کرے گا دونوں جہاں میں اُسے خدا
جب بھی کوئی کرے گا اِہانت رسول کی

ہوں گی نہ کامیاب اندھیروں کی سازشیں
ہم کو اُجالا دیتی ہے سیرت رسول کی

جیسے کہ زندگی کے لیے لازمی ہے سانس
ہر دم ہے یوں جہاں کو ضرورت رسول کی

سِکّہ اُنھی کا چلتا ہے دونوں جہان میں
ہے تا ابد سبھی پہ حکومت رسول کی

اُن کی حیاتِ پاک ہے دستِ فَنا سے دور
تا حشر ہر ادا ہے سلامت رسول کی

سب قُرب و بُعد میرے نبی کی پہنچ میں ہیں
ہر شے کو سن رہی ہے سماعت رسول کی

تصدیق جس نے کر دی وہ صدّیق ہو گیا
ہے کتنی بے مثال صداقت رسول کی

جس نے عمل کیا وہ جہاں میں چمک اٹھا
تابندہ اِس ادا سے ہے سنت رسول کی

ممکن نہیں اِحاطۂ اَوصافِ مصطفیٰ
ہے ما ورائے عقل حقیقت رسول کی

سب کچھ نبی کے نام پہ قربان کرکے ہم
ہر حال میں بچائیں گے عزت رسول کی

چلتا رہے گا یوں ہی فریدی مرا قلم
لکھتا رہوں گا مَر کے بھی مدحت رسول کی

از: استاذ الشعراء حضرت علامہ **سلمان رضا فریدی مصباحی**

❁❁❁❁❁❁❁

مصطفیٰ کی ذات کا ہر ایک پہلو معجزہ

اُن کے پائے ناز ، اُن کے دست و بازو معجزہ
مصطفیٰ کی ذات کا ہر ایک پہلو معجزہ

وہ ہنسیں عالَم ہنسے ، وہ روئیں عالَم رو پڑے
مسکراہٹ معجزہ ، ہر ایک آنسو معجزہ

رُخ کریں تبدیل تو قبلہ بدل دیتا ہے رب
خواہشِ دل معجزہ اور رغبتِ رُو معجزہ

مصطفیٰ جو ترک فرما دیں وہ رد ہے تا اَبد
جس کو اپنا لیں قیامت تک وہی خُو معجزہ

اک اشارے سے کوئی پلٹا، کوئی ٹکڑے ہوا
مَہر و مَہ پر اُن کی قدرت اور قابو معجزہ

سینہ و قلب و جگر ، پیشانی و پشت و کمر
گردن و حلقوم و سر ، رُخسار و تالو معجزہ

اُن کے نقشِ پا زمین و آسمان کی آبرو
ایڑیاں تلوے قدم اور ساق و زانو معجزہ

اُترا ہے قرآن جس کی مدحت و تکریم میں
بارک اللہ سر سے پا تک ہے وہ خوش رو معجزہ

صورت وسیرت کے جلوے بے مثال ولا جواب
ہر ادا ، ہر بات ، ہر حالت ، ہر اک مُو معجزہ

تا ابد نسلوں میں ہے جس کی مہک جس کی چمک
وہ پسینہ معجزہ اور اُس کی خوش بُو معجزہ

جس طرف وہ چل پڑیں اور جس جگہ رکھیں قدم
وہ گلی، وہ راستہ ، وہ خاک، وہ سُو معجزہ

وَالضُّحٰی وَالَّیْلِ اور وَالنَّجْمِ پڑھ کر دیکھ لو
چہرہ و حسن و جمال و قدّ و گیسو معجزہ

میرے آقا کا تبسم، روشنی ہی روشنی
اُن کے دندانِ مبارک رشکِ لُولُو معجزہ

جس سے دیوانوں کو ملتا تھا پتہ سرکار کا
جسمِ اطہر کی عظیم الشان وہ بُو معجزہ

یہ فریدی کیا لکھے اُس ذات کا فضل وکمال
جس کے ہر کردار کو رب نے کیا ذو معجزہ

از: تاج الشعراء حضرت علامہ **سلمان رضا فریدی مصباحی**

مقدمہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حامدا و مصلیا و مسلما

عن ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوۡلَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنۡ کَانَ قَبۡلَکُمۡ حَذۡوَ الۡقُذَّۃَ بِالۡقُذَّۃِ حَتّٰی لَوۡ دَخَلُوۡا جُحۡرَ ضَبٍّ لَدَخَلۡتُمُوۡہُ قَالُوۡا یَا رَسُوۡلَ اللہ أَلۡیَھُوۡدُ وَ النَّصَارٰی قَالَ فَمَنۡ ؟ (متفق علیہ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’تم پہلی امتوں کی پیروی میں ایسے برابر ہو جاؤ گے جیسے تیر، تیر سے۔ یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے بل میں گھسیں گے تو تم بھی گھسو گے۔‘‘

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی:

’’یا رسول اللہ کیا پہلی امتوں سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟‘‘

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’ان کے علاوہ اور کون مراد ہو سکتا ہے؟‘‘

ذرا حدیث کے ان الفاظ پر غور کر کے موجودہ دور کا جائزہ لیجیے۔ آج یہود و نصاریٰ فیشن کے نام پر جو بھی کر رہے ہیں مسلمان ان سبھی کاموں کی فخریہ پیروی کر رہے ہیں۔

کپڑا اگر پھٹ جائے تو اس پر پیوند لگا لینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے، لیکن آج کے مسلمان پیوند لگے کپڑے پہننا اپنی توہین سمجھتے ہیں؛ لیکن یہ کتنے تعجب کی بات ہے کہ وہی مسلمان

فیشن کے نام پر بڑے سے بڑے مال اور دکان پر جا کر پھٹے کپڑے خرید لاتے ہیں اور اسے پہننے کو اپنی خوش قسمتی سمجھتے ہیں۔

پاجامہ ٹخنوں سے اوپر پہننا سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، لیکن جب تک چپل کے نیچے پائنچے دبا کر پینٹ پہننے کا فیشن رہا، مسلمان اسی فیشن پر عمل کرتے رہے اور ٹخنوں سے اوپر پینٹ پہنا بھی تو اس وقت جب کہ ٹخنوں سے اوپر پینٹ پہننے کا فیشن رائج ہو گیا۔

شادی، ولیمہ اور دیگر دعوتوں میں دستر خوان پر بیٹھ کر کھانے کو اپنی توہین سمجھنے والے مسلمان، کرسی ٹیبل اور جانوروں کی طرح ٹہل ٹہل کر کھانے کو اعلیٰ تہذیب کی نشانی تصور کرتے ہیں۔

حد تو یہ ہے کہ مسلمانوں نے داڑھی بھی اس وقت رکھنا شروع کی جب داڑھی (Beard) رکھنے کا فیشن آیا، ورنہ کلین شیو ہو کر گھومنے کو ہی اپنی ترقی سمجھتے رہے۔

اور کتنی چیزیں شمار کرائی جائیں، مختصراً یہ سمجھیے کہ فیشن کے نام پر مسلمان ہر سنت چھوڑنے اور یہود و نصاریٰ کی مکمل پیروی کرنے کے لیے ہمیشہ تیار ہیں۔

مسلمانوں میں آئی ان خرابیوں کی اصلاح کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انھیں انبیاے کرام کی تعلیمات اور ان کی پاک سیرت سے آگاہ کیا جائے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانے میں انبیاے کرام علیہم السلام کو مبعوث ہی اسی لیے فرماتا رہا ہے کہ ان کے ایمان و ایقان اور اخلاق و عادات و کردار کو سنوارا جائے۔

خاص کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کو عام کرنا وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے، کیوں کہ یہ زمانہ ان کا زمانہ ہے اور وہ قیامت تک کے لیے نبی ہیں، جن کے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا۔

اسی مقصد کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال فرمانے کے بعد سے ہی ہر زمانے کے اہل قلم، سیرت طیبہ پر مستقل طور پر لکھتے رہے اور اتنا لکھا کہ پوری دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔

کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ دنیا میں آج تک کسی بھی انسان کی سیرت پر اتنا کام نہیں ہوا جتنا تنہا رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ پر کام ہوا، دنیا میں ۵۰۰۰ سے زائد زبانیں بولی جاتی ہیں، اِن میں سے ۱۱۶ سرکاری زبانیں ہیں، جن میں سے ۱۰۰ سے زائد زبانوں میں ایک اندازے کے مطابق سیرت النبی پر ۵۶۰۰۰ کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور قیامت تک مزید کتابیں لکھی جاتی رہیں گی۔ حیرت بالائے حیرت یہ کہ اس اعداد و شمار میں رسائل، خطبات، مقالات اور کتابچے شامل نہیں ہیں۔

اردو زبان میں بھی سیرت رسول اکرم ﷺ پر کافی کچھ لکھا گیا، تاہم ڈیڑھ - دوسو صفحات پر مشتمل آسان لب و لہجے میں ایک ایسی کتاب کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی جس سے کم وقت میں سیرت النبی ﷺ کے تمام گوشوں پر اجمالی نظر پڑ جائے۔

دارالعلوم محبوب سبحانی، کرلا، ممبئی کے پرنسپل حضرت مولانا سید اکرام الحق قادری مصباحی دام ظلہ نے مختصر سیرت شمس الضحیٰ لکھ کر اس ضرورت کی تکمیل فرمائی، اللہ تعالیٰ انھیں اس کا بھرپور اجر دے، یقیناً وہ جماعت اہل سنت کی جانب سے مبارک باد کے مستحق ہیں۔

حضرت سید صاحب قبلہ سے میرا رابطہ پچھلے چھ سالوں سے ہے، ان چھ سالوں میں حضرت کے شب و روز ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں، باصلاحیت اور اونچے قد کے عالم تو آپ ہیں ہی، حسن اخلاق اور عمدہ صفات نے آپ کی شخصیت کو مزید سنوار رکھا ہے، بڑوں کا ادب و احترام کرتے ہیں، چھوٹوں کو اپنی شفقتوں سے نوازتے ہیں، چھوٹوں سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو اس طرح مناسب تنبیہ فرماتے ہیں کہ اصلاح بھی ہو جاتی ہے اور کسی کے دل کو ٹھیس بھی نہیں پہنچتی۔

اللہ تعالیٰ نے انھیں علمی مشغولیت جیسی عظیم دولت سے سرفراز فرمایا ہے، دارالعلوم محبوب سبحانی جیسے عظیم ادارے کی پرنسپلی کر لینا ہی بڑے دل گردے کا کام ہے، حضرت اس کے ساتھ ساتھ امامت و خطابت کے فرائض بھی انجام دیتے ہیں، محلے کے بچوں، بچیوں، مرد و خواتین کے لیے

الگ الگ دینی تعلیم کا اہتمام بھی کرتے ہیں، جمعہ کی خطابت کے ساتھ ساتھ ہر دوسرے دن نماز عشا کے بعد درسِ قرآن اور ہر ہفتے اتوار کے دن درس حدیث کا اہتمام کرتے ہیں، ہفتہ واری ''نور ایمان''، پمفلیٹ تقسیم کرتے ہیں، جس میں حالات حاضرہ کے حساب سے مسلمانوں کی رہ نمائی ہوتی ہے۔ مذکورہ مصروفیات اور درس وتدریس سے وقت نکال کر اگر کچھ وقت بچتا ہے تو تصنیف وتالیف میں منہمک رہتے ہیں۔ غرض یہ کہ اس قدر متحرک وفعال ہیں کہ ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والا حرکت میں رہتا ہے۔

امید کرتا ہوں کہ آخری چند سطور حضرت سید صاحب کی شخصیت کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوں گی۔ اب میں زیادہ دیر تک آپ کے اور کتاب کے درمیان حائل نہیں رہوں گا، ورق الٹیے اور مطالعے میں جٹ جایئے، اللہ تعالی ہم سب کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

بروز اتوار

فاروق خان مہائمی مصباحی

۲۹ / ربیع الآخر / ۱۴۴۳ھ ۵ / دسمبر / ۲۰۲۱ء

خادم التدریس والافتاء

بدار العلوم محبوب سبحانی، کرلا، ممبئی

پیشِ لفظ

تمام تعریفیں اُس اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے لیے جو واحد و یکتا اور کائنات کا خالق و مالک ہے اور بے حد درود و سلام اُس رسولِ معظّم پر جو رب کی عطا سے ساری خلقت کے آقا و مولا ہیں، جنھیں ربُّ العالَمین نے ہر فضل و کمال سے متصف فرما کر، سارے عالَم کے لیے رحمت و ہدایت بنا کر بھیجا اور ہر معاملے میں ہم پر اُن کی اطاعت و پیروی کو واجب قرار دیا۔

کہیں یوں ارشاد فرمایا: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۝

ترجمہ: بے شک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں تمھارے لیے عمدہ نمونہ ہے۔[1]

کہیں یوں اَمر فرمایا: وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۝ ترجمہ: اور اللہ کے رسول جو کچھ تمھیں دیں اُسے لے لو اور جس چیز سے تمھیں منع کریں اُس سے باز آجاؤ۔[2]

مذکورہ دونوں آیتوں سے واضح ہوا کہ ہر بندۂ مومن پر، زندگی کے ہر شعبے میں، اپنے آقا و مولا حضور تاج دارِ عرب و عجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و پیروی لازم و ضروری ہے۔ محبت و طاعتِ رسول کے بغیر کسی شخص کو کہیں بھی، کسی قسم کی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی، نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔

اِسی لیے اللہ عز وجل نے اپنے حبیب علیہ الصلاۃ والتسلیم کے سچے عاشقوں اور فرماں بردار غلاموں کو قابلِ رشک کامیابی کی بشارت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ

---

۱ [سورۂ احزاب، آیت نمبر: ۲۱]

۲ [سورۂ حشر، آیت نمبر: ۷]

رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا۝ ترجمہ: اور جس نے اللہ و رسول کی فرماں برداری کی تو یقیناً اُس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی۔[1]

بڑی کامیابی سے کیا مراد ہے، اِس کی وضاحت کرتے ہوئے دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا: یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۝ ترجمہ: اللہ تم سے محبت فرمائے گا اور تمھارے تمام گناہوں کو معاف فرما دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے [بشرطے کہ تم اُس کے حبیب کے وفادار بن جاؤ]۔[2]

ایسی سیکڑوں آیات و احادیث ہیں جو بندوں پر آقاے کریم ﷺ کی محبت و اطاعت کو واجب کر رہی ہیں، نیز یہ ثابت کر رہی ہیں کہ حضور سرورِ عالَم ﷺ کی ذاتِ گرامی ہی اہلِ ایمان کی عقیدت و محبت کا مرکز و محور ہے۔ مرکزِ عقیدت اور محورِ محبت سے رشتۂ ایمانی جتنا مضبوط ہوگا، ایمان کو اُسی قدر عروج و کمال حاصل ہوگا اور بندۂ مومن حلاوتِ ایمان سے اُسی قدر محظوظ و متمتع ہوگا؛ مگر ہم سب اِس حقیقت سے بھی بخوبی واقف ہیں کہ جب تک محبوب کے اوصاف و کمالات، اقوال و افعال اور حالات و کوائف کا صحیح علم و ادراک نہ ہو مُحِب نہ ہی صحیح طور پر اُس کی اطاعت کر سکتا ہے اور نہ ہی رشتۂ محبت سے کما حقہٗ مستفید ہو سکتا ہے۔ اور یہ بھی ایک سچی حقیقت ہے کہ واجب کا موقوف علیہ بھی واجب ہوتا ہے؛ لہٰذا ہر بندۂ مومن پر اپنے آقا و مولا حضور رحمتِ عالَم، جانِ کائنات ﷺ کی سیرت و کردار، عادات و اوصاف اور فضائل و محامد سے آگاہ ہونا شرعاً واجب ہے۔

اِس لیے صحابۂ کرام و تابعینِ عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور اُن کے بعد ہر زمانے کے علماے ربانیین نے ''سیرتِ مصطفیٰ'' ﷺ کے انوار کو اپنے سینوں میں محفوظ کیا اور اِس نورانی موضوع پر قلم چلانے کی سعادت حاصل کی۔ یہ اُنھی نفوسِ قدسیہ کی کاوشوں کا ثمرہ ہے کہ صدیاں گزر

---

۱ [سورۂ احزاب، آیت نمبر: ۷۱]

۲ [سورۂ آلِ عمران، آیت نمبر: ۳۱]

جانے کے بعد بھی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا ہر گوشہ پوری آب وتاب کے ساتھ روشن ہے ، ہم اپنے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثنا کی مقدس زندگی کے جس پہلو سے بھی فیض یاب ہونا چاہیں ہو سکتے ہیں ؛ کیوں کہ آج ہمارے سامنے سیرتِ نبویہ کو بیان کرنے والی کتابوں کا اتنا بڑا ذخیرہ موجود ہے کہ دنیا کی کسی بڑی سے بڑی شخصیت کے لیے اُس کا کروڑواں حصہ بھی معرضِ وجود میں نہ آ سکا۔ سیرت نویسی کے طفیل سیرت نگاروں پر رحمتِ الٰہی ابرِ بارندہ کی طرح برسی اور وہ ذواتِ مقدسہ آج بھی آسمانِ عزت وکرامت پر ستاروں کے مانند چمک رہے ہیں اور چمنستانِ عظمت و رفعت میں پھولوں کی طرح مہک رہے ہیں۔

مگر صد افسوس ! کہ سیرتِ نبوی پر ہزاروں کتابیں دست یاب ہونے کے باوجود عام ہندوستانی مسلمان اپنے آقا و مولا حضور تاج دارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور آپ کے شمائل و خصائل سے یکسر ناواقف ہیں۔ عدمِ واقفیت ہی کا نتیجہ ہے کہ لوگ نہ صرف یہ کہ بدعمل ہوتے جارہے ہیں ؛ بلکہ اُن کے عقائد ونظریات میں بھی کافی اِضمحلال پیدا ہو رہا ہے۔ سیرتِ نبوی سے لاعلمی کا ایک بنیادی سبب یہ ہے کہ اِس نورانی وعرفانی موضوع پر اکثر کتابیں عربی یا فارسی زبانوں میں لکھی گئی ہیں۔ یہاں کے عام مسلمان ان زبانوں سے ناواقف ہیں اور مادری زبان ''اردو'' میں لکھی گئی کتابیں یا تو اتنی ضخیم ہیں کہ عوام انھیں دیکھتے ہی گھبرا جاتی ہے یا پھر وہ کتابیں ایسے علمی وادبی رنگ سے آراستہ ہیں جو عام قارئین کو منزل تک پہنچنے نہیں دیتا۔

اِس لیے مدتِ دراز سے راقم کی یہ خواہش تھی کہ حضور سرورِ انبیا، فخرِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ، شمائل وخصائل، عادات واخلاق اور معجزات وتصرفات پر سلیس ورواں اردو زبان میں ایک ایسی مختصر کتاب لکھی جائے جو ایک حد تک سیرتِ نبویہ کے تمام ضروری مضامین کی جامع ہو، جس میں قاری کی ہمت پست کر دینے والی طوالت ہو، نہ اُسے پریشان کر دینے والی پیچیدگی۔

اللہ عزوجل کا بے پناہ شکر واحسان ہے کہ اُس کی توفیق وعطا سے اِس ناچیز کی یہ دیرینہ

خواہش تکمیل آشنا ہوئی اور اِسے بھی اپنے آقا ومولا حضور رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ پر چند سطور لکھ کر، اُن نفوسِ قدسیہ کا کفش بردار بننے کا شرف حاصل ہوا، جنھوں نے سیرتِ نبویہ کی تصنیف و تالیف میں اپنی عمروں کا سرمایۂ گراں مایہ خرچ کیا اور ایسی شان دار تجارت کی جس نے انھیں دولتِ دارین کے بیش بہا خزانے سے سعادت اندوز ہونے کا شرف بخشا۔ آج میری خوشیوں کا ٹھکانہ ہے، نہ ہی اپنی مسرت کو الفاظ کا جامہ پہنانے کی طاقت۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلك۔

یہ کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ جن کی تفصیل یہ ہے:

پہلا باب: حضور مختارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات و کوائف، از ولادتِ باسعادت تا وفاتِ اَقدس۔

دوسرا باب: حضور سید العالَمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض شمائل وخصائل۔

تیسرا باب: حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض تصرفات واختیارات۔

چوتھا باب: حضور خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ وعاداتِ کریمہ

پانچواں باب: حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلِ بیتِ اَطہار

چھٹا باب: حضور رحمتِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اَحباب و متعلقین۔

کتاب کے مضامینِ عالیہ **سیرتِ ابن ہشام**، **الروض الانف**، **المواہب اللدنیہ**، **شرح الامام الزرقانی علی المواہب**، **جواہر البحار**، **مدارج النبوۃ**، **ضیاء النبی**، **سیرت رسولِ اکرم**، جیسی سیرت کی معتبر و مستند کتابوں سے لیے گئے ہے۔ اِن کے علاوہ اَحادیث و سِیَر کی متعدد کتب سے بھی گل چینی کی گئی ہے۔ اِس کتاب میں درج ذیل امور خاص طور پر ملحوظ رکھے گئے ہیں:

[۱] معتبر تراجم کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے، آیاتِ قرآنیہ کا سلیس و رواں ترجمہ کیا گیا ہے۔

[۲] احادیثِ کریمہ کا شستہ اور بامحاورہ ترجمہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

[۳] اِفادۂ عام کے لیے تمام عربی عبارتوں کو اِعراب وحرکات وسکنات سے مزین کیا گیا ہے۔

[۴] سیرت کے انھی پہلوؤں کو رقم کیا گیا ہے جو عام مسلمانوں کے لیے زیادہ اہم ہیں۔

[۵] حوالہ جات کا التزام کیا گیا ہے۔

[۶] تک بندیوں اور مقفّٰی و مسجَّع عبارتوں سے گریز کیا گیا ہے۔

[۷] عوامی معیار کا بھرپور خیال رکھا گیا ہے۔

[۸] اختصار کے پیشِ نظر کئی واقعات ترک کر دیے گئے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ کتاب کو حتّٰی المقدور بہتر اور آسان بنانے کی کوشش کی گئی ہے، مضامین کے انتخاب اور اُن کی تلخیص میں دامنِ احتیاط کو بڑی مضبوطی سے تھامہ گیا ہے، اِس گلستانِ سیرت میں ہر ہر قدم انتہائی ادب واحترام کے ساتھ پھونک پھونک کر رکھا گیا ہے؛ مگر چوں کہ عام انسان کا خطا سے بچ پانا قریب بہ محال ہے، اِس لیے اپنے قارئینِ کرام سے مؤدبانہ ملتمس ہوں کہ اگر **کمپوزنگ**، **ترجمہ**، **تلخیص**، **اِعراب**، **حوالہ جات** یا کسی امر میں کہیں کوئی غلطی نظر آئے تو تنقید کے کانٹوں سے زخمی کرنے کے بجائے "اَلدِّیْنُ اَلنُّصْحُ لِکُلِّ مُسْلِمٍ" [ہر مسلمان کی بھلائی چاہنا اصل دینداری ہے] پر عمل کرتے ہوئے راقم کو مطلع فرمائیں؛ تاکہ اُس کا ازالہ کیا جا سکے۔ اور چوں کہ راقم اِس کاوش کو اپنی زندگی کا سب سے عظیم سرمایہ تصور کرتا ہے، اِس لیے آپ سے انتہائی عاجزی کے ساتھ گزارش کرتا ہے کہ ربِّ کائنات کی بارگاہِ عالی میں دعا فرمائیں کہ ربِّ کریم اِس مختصر کو حقیر سراپا تقصیر اور جملہ احباب و اقارب کی بخشش و نجات کا ذریعہ بنائے۔

ہر بار کی طرح اِس بار بھی پیکرِ خلوص و محبت انتہائی فعال و متحرک نوجوان عالم دین حضرتِ علامہ مفتی محمد فاروق خان مہائمی مصباحی دامت برکاتہ العالیہ نے اپنی بے پناہ علمی و تحقیقی مصروفیات کے باوجود نہ صرف یہ کہ کتاب کو بڑی عرق ریزی کے ساتھ از اول تا آخر ملاحظہ فرما کر اُسے سندِ اعتبار سے نوازا؛ بلکہ ایک وقیع مقدمہ لکھ کر ناچیز کی حوصلہ افزائی بھی فرمائی اور نہایت خلیق و ملنسار عالمِ دین حضرت مولانا نصر الدین سبحانی نے بھی اپنا قیمتی تعاون پیش فرمایا۔

''شکریہ'' کے رسمی الفاظ اِن حضرات کے خلوص ومحبت اور محنت وکاوش کا بدلہ نہیں بن سکتے۔بس دعا گوہوں کہ ربِّ کائنات اِنھیں وہ صلہ عطا فرمائے جواُس کی شانِ کریمی کے لائق ہو۔ آمین یارب العالمین بجاہِ حبیبک سید المرسلین ﷺ۔

سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی، عفی عنہ
صدر المدرسین دار العلوم محبوب سبحانی کرلا ویسٹ ممبئی
۱۴؍صفر المظفر ۱۴۴۳ھ مطابق ۲۳؍ستمبر ۲۰۲۱ء

پہلا باب

حالات وکوائف از ولادت تا وفات

حضور رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اَسماو اَلقاب:

اللہ ربُّ العزت نے ہمیں ''تمام نبیوں کے سردار نبیِّ آخرُ الزماں'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمّت میں پیدا فرمایا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کئی نام ہیں، جو آپ کی مختلف فضیلتوں اور صفتوں کی ترجمانی کرتے ہیں؛ لیکن حدیثِ پاک میں یہ پانچ نام خاص طور پر ذکر کیے گئے ہیں:

- [۱] مُحَمَّدٌ [۲] اَحْمَدُ [۳] مَاحِيْ [۴] حَاشِرٌ [۵] عَاقِبٌ صلی اللہ علیہ وسلم۔[۱]

اِسی طرح ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعدد القاب ہیں، جو آپ کو دیگر انبیاے کرام علیہم السلام سے ممتاز کرتے ہیں۔ اُن میں سے چند یہ ہیں:

- [۱] رحمةٌ لِّلْعَالَمِيْنَ [۲] خَاتَمُ النَّبِيّٖنَ [۳] شَفِيْعُ الْمُذْنِبِيْنَ [۴] اِمَامُ الاَنْبِيَآءِ [۵] سَيِّدُ الثَّقَلَيْنِ [۶] طٰهٰ [۷] يٰسٓ [۸] مُزَّمِّلٌ [۹] مُدَّثِّرٌ ۔ وغیرہ۔

ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے مشہور نام '' مُحَمَّد '' ہے۔ [صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم]، یہی آپ کا ''اسمِ ذاتی'' بھی ہے۔ جس ہستی میں تمام خوبیاں جمع ہوں اور جس کی ہر لمحہ تعریف وتوصیف کی جاتی ہو، اُسے '' مُحَمَّد '' کہا جاتا ہے۔[۲]

اللہ ربُّ العزت نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا ہی بنایا ہے، کہ آپ تمام خوبیوں کے

---

۱ [السنن للامام الترمذی، باب ماجآء فی اسماء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، رقم الحدیث: ۳۰۷۵]

۲ [ملخصاً، از: ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جلد دوم، ص: ۶۱۔ ۶۲]

جامع ہیں اور کائنات میں آپ کی عظمت وشان کے ڈنکے بج رہے ہیں۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دوسرا سب سے مشہور نام "اَحْمَدْ" ہے۔ حضرت سیدنا موسیٰ اور حضرت سیدنا عیسیٰ علیہما الصلاۃ والسلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اسی نام سے یاد فرمایا ہے۔[۱]

"اَحْمَدْ" کا معنیٰ ہے "اَحْمَدُ الْحَامِدِیْنَ" یعنی وہ ہستی جو ہر حمد [تعریف] کرنے والے سے زیادہ، اپنے رب کی حمد کرے۔ چوں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہر ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا سے مُعطَّر ہے اور بروزِ قیامت آپ اللہ عزّ وجلّ کی ایسی ثنا بیان کریں گے، کہ تمام اولین وآخرین میں سے کسی نے بھی ویسی حمد وثنا بیان نہ کی ہوگی؛ اِس لیے نبیِّ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اسمِ گرامی "اَحْمَدْ" ہوا۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو "مَاحِیْ، حَاشِرْ" اور "عَاقِبْ" بھی کہا جاتا ہے۔ "مَاحِیْ" کا معنی ہے "مٹانے والا"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ، نام اِس لیے ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے ذریعے کفر کو مٹایا ہے۔ "حاشر" کا معنیٰ ہے "جمع کرنے والا" آپ "حَاشِرْ" سے اِس لیے موسوم ہوئے کہ پروردگارِ عالَم، حشر کے دن لوگوں کو آپ کے قدموں پر جمع فرمائے گا اور "عاقب" کا معنیٰ ہے "بعد میں آنے والا" آپ کا اسمِ اقدس "عَاقِبْ" اِس لیے منتخب ہوا کہ آپ سب سے آخری نبی ہیں، آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آسکتا۔[۲]

اُمّی لقب سے ملقّب ہونے کی وجہ:

ہمارے آقا ومولا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک لقب "اُمِّیْ" ہے۔ آپ کو "اُمِّیْ" کہے جانے کی تین وجہیں بیان کی جاتی ہیں:

پہلی وجہ: آپ کو یا تو اِس لیے "اُمِّیْ" کہا گیا کہ آپ "اُمُّ الْقُرٰی" یعنی مکّہ مکرّمہ کے رہنے والے ہیں۔

۱ [سورۂ ص، آیت نمبر ۶:۔ الخصائص الکبریٰ، ج ۱: ص ۷۸:]

۲ [السنن للامام الترمذی، باب ماجآء فی اسماء النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، رقم الحدیث ۳۰۷۵:]

دوسری وجہ: یا اِس وجہ سے "اُمّی" کہا گیا کہ آپ نے دنیا میں کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا۔ یہ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عظیم الشان معجزہ ہے، کہ آپ نے دنیا میں کسی سے پڑھنا ،لکھنا نہ سیکھا ، پھر بھی اللہ ربُّ العزت نے آپ کو اتنا علم عطا فرمایا کہ آپ کا سینۂ منوّر اوّلین و آخرین کے علوم کا خزینہ بن گیا۔[1]

تیسری وجہ: یا تو اِس وجہ سے "اُمّی" کہا گیا کہ آپ کائنات کی "اُم" یعنی اصل ہیں، یعنی اللہ نے سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو پیدا فرمایا، پھر اُن کے نور سے کائنات کو پیدا فرمایا، جیسا کہ حدیثِ نوری میں ہے، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

❁ اے جابر! بے شک اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا اور میرے نور سے کُل کائنات کو وجود بخشا۔[2]

ولادتِ باسعادت:

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ باسعادت مشہور قول کے مطابق عرب شریف کے مشہور شہر "مَکَّۃُ الْمُکَرَّمَہ" میں **۱۲ ربیع الاوّل شریف، مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء بروزِ پیر قبلِ طلوعِ آفتاب ہوئی۔**[3]

حضور سیدِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ اِس دنیا میں عام بچوں کی طرح نہ ہوئی؛ بلکہ آپ پاکیزہ بدن، ختنہ کیے ہوئے، خوشبو میں بسے ہوئے پیدا ہوئے اور دنیا میں رونق افروز ہوتے ہی رب تعالیٰ کی بارگاہ میں "سجدۂ بندگی" پیش کیا۔[4]

---

۱ [ملخصاً، از سیرتِ مصطفیٰ، ص:۷۰]

۲ [حقیقتِ محمدی، ترجمہ الجزء المفقود من الجزء الاول من مصنف عبدالرزاق، ص:۱۰۲]

۳ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص:۵۹۔ جواہر البحار، ج:۳، ص:۵۶۵]

۴ [ملخصاً از شرح الامام الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ، ج:۱، ص:۱۱۲]

شجرۂ نسب:

حضور سیدِ عالَم ﷺ کے والدِ بزرگ وار کا نام، حضرت ''سیدنا عبداللہ'' رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے اور والدۂ محترمہ کا نام، حضرت ''سیدتنا آمنہ'' رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے۔ والدِ محترم کی جانب سے حضورِ اقدس ﷺ کا شجرۂ نسب یہ ہے:

[۱]سَیِّدُنَا مُحَمَّدٌ ﷺ [۲] بْنُ عبدِ اللهِ [۳]بْنِ عبدِ المُطَّلِبِ [۴] بْنِ هاشِمٍ [۵]بنِ عبدِ مَنَافِ [۶]بن قُصَيّ [۷]بن كِلابِ [۸] بنِ مُرَّةَ [۹] بنِ كَعْبِ [۱۰] بنِ لُؤَيّ [۱۱] بنِ غَالِبِ [۱۲]بنِ فِهْرِ [۱۳] بنِ مَالِكٍ [۱۴]بنِ النَّضْرِ [۱۵]بنِ كِنَانَةَ [۱۶]بنِ خُزَيْمَةَ [۱۷]بنِ مُدْرِكَةَ[۱۸]بنِ اِلْيَاسَ [۱۹]بنِ مُضَرَ [۲۰]بنِ نِزَارِ [۲۱]بنِ مَعَدّ[۲۲] بنِ عَدْنَانَ۔ [۱]

جب کہ والدۂ محترمہ سلام اللہ علیہا کی طرف سے آپ کا شجرۂ نسب یہ ہے:

[۱] سیدنا مُحَمَّدٌ[۲] بنُ آمِنَةَ [۳] بِنْتِ وَهَبِ [۴] بنِ عبدِ مَنَافِ [۵] بنِ زُهْرَةَ [۶] بنِ كِلَابِ [۷] بنِ مُرَّةَ ۔ اِس شجرۂ مبارکہ کو ملاحظہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ والدینِ کریمین کا نسب نامہ ''کِلَاب بن مُرّۃ'' پر مِل جاتا ہے۔ اور سبھی مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرتِ عدنان، حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں؛ لہٰذا ثابت ہوا کہ ہمارے نبی ﷺ حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی نسلِ پاک سے ہیں۔ [۲]

خاندانی عظمت و بزرگی:

ہمارے نبی ﷺ کا خاندان ''عظمت و بزرگی'' میں پوری دنیا کے تمام خاندانوں سے افضل و اعلیٰ ہے۔ بدترین جانی دشمن بھی حضور ﷺ کی خاندانی وجاہت، عظمت اور شان وشوکت

۱ [الصحیح للامام البخاری، کتاب مناقب الانصار، باب مبعث النبی ﷺ]

۲ [سیرتِ مصطفیٰ از علامہ عبدالمصطفیٰ، ص: ۴۱۔۴۲]

کا اعتراف کیا کرتے تھے۔[۱]

بوقتِ ولادت رونما ہونے والے واقعات:

حضور سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم کی ولادتِ باسعادت کے وقت بڑے عجیب وغریب واقعات رونما ہوئے، مثلاً:

- خانۂ کعبہ کے بُت اوندھے منہ گر پڑے، پورے عرب میں خوش حالی آ گئی۔
- موسمِ بہار نے جنگلوں اور بیابانوں کو بھی رشکِ چمن بنا دیا۔
- ایسا نور ظاہر ہوا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدۂ محترمہ نے مکّۂ مکرمہ سے ملکِ شام کے مَحَلّات دیکھ لیے۔ اِن کے علاوہ اور بھی بہت سے حیرت انگیز واقعات رونما ہوئے۔[۲]

قبلِ ولادت دنیا کے حالات:

حضور رحمتِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک پیدائش سے قبل "دنیا کے حالات" بد سے بدتر تھے۔ چناں چہ:

- پوری دنیا، جہالت وتاریکی کے نَرغے میں تھی۔
- حضراتِ انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی تعلیمات تقریباً ختم ہو چکی تھیں۔
- یورپ، ایران، مصر، ہندوستان، روم اور عرب ہر طرف بت پرستی عام ہو چکی تھی۔
- ہر چہار جانب، ظلم وزیادتی اور بے حیائی کا غلبہ تھا۔[۳]

حضرت سیدنا عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات:

حضور شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدِ بزرگوار حضرت سیدنا عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

---

۱ [الجامع للامام الترمذی، باب فی فضل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، رقم الحدیث:۳۹۶۶]

۲ [ملخصاً از مدارج النبوۃ، مترجم، ج:۲، ص:از ۳۱ تا ۳۳]

۳ [ملخصاً از ضیاء النبی، ج:۱]

وصال کے سلسلے میں سیرت نگاروں کے کئی اقوال ہیں ۔ایک قول یہ ہے کہ ابھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نورِ مُبین کو حضرتِ آمنہ، سلام اللہ علیہا کے شکمِ ناز میں منتقل ہوئے ، دو ہی مہینے ہونے پائے تھے، کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدِ محترم اپنے والد حضرت سیدنا عبد المطلب کی ننہال "بَنِیْ نَجَّارْ" میں انتقال فرما گئے ۔ایک قول یہ ہے کہ جس وقت حضرتِ عبد اللہ کا وصال ہوا، اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمرِ مبارک دو ماہ کی تھی ۔ایک قول یہ بھی ہے کہ اُس وقت آقاے کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم ۲۸/ ماہ کے تھے ۔[۱]

دودھ پینے کا زمانہ:

ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو تین روز تک اپنی'' والدۂ محترمہ'' کا دودھ نوش فرمایا۔اُس کے بعد چند دن ابولہب کی آزاد کردہ باندی حضرت " ثُوَیْبَہ "کا دودھ پیا۔پھر وِلادت کے ایک ہفتہ بعد حضرت سیدتنا "حَلِیْمَۃ سَعْدِیَۃ" کے سپرد کیے گئے اور تقریباً دو سال تک اُنھی کا دودھ نوش فرمایا۔اُس وقت حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے شمار برکتیں ظاہر ہوئیں ۔ [۲]

چند برکتیں ملاحظہ فرمائیں!

- حضرتِ حلیمہ کی کمزور سواری، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹھنے کی برکت سے ،نہایت تیزی کے ساتھ دوڑنے لگی۔
- ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلانے سے پہلے، حضرت حلیمہ کی چھاتیوں میں برائے نام ہی دودھ تھا،مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لبہاے نازک کے لگتے ہی وہ خشک چھاتیاں دودھ سے لبالب بھر گئیں۔
- حضرت حلیمہ کی لاغر اور کمزور اونٹنی کی کھیری دودھ سے لبریز ہوگئی۔

---

۱ [ملخصاً من السیرۃ النبویۃ لابن ہشام مع الروض الانف، ج:۱،ص: ۳۱۳۔۳۱۴،مطبوعہ دار الحدیث،قاہرہ]

۲ [ملخصاً من السیرۃ النبویۃ لابن ہشام مع الروض الانف، ج:۱،ص:۳۱۵۔۳۱۶،مطبوعہ دار الحدیث، قاہرہ]

❁ شام کے وقت، جب حضرتِ حلیمہ کی بکریاں چَر کر آتیں تو اُن کے پیٹ بھرے ہوتے اور اُن کی کھیریاں دودھ سے لبریز ہوتیں، حالاں کہ اُس علاقے میں گھاس کا ایک تنکا بھی نظر نہیں آتا تھا۔

❁ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے، بنی سعد کا ہر گھر مشک سے مہکنے لگا۔

❁ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار انسانوں اور جانوروں پر دستِ اقدس [پاکیزہ ہاتھ] پھیرتے تو فوراً اُنھیں شفا مِل جاتی۔ [۱]

حضرتِ سیدتنا آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصال:

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمرِ شریف چھ برس کی ہوئی، تو حضرتِ آمنہ سلام اللہ علیہا اُنھیں، اُن کے دادا حضرتِ عبد المطلب کی ننہال ''بَنُوْ عَدِیْ'' میں لے گئیں اور واپسی پر مقامِ ''اَبْوَاء'' میں انتقال فرما گئیں۔ [۲]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کا ایمان:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدینِ کریمین کے ایمان کے سلسلہ میں اہلِ سنت کے بڑے علما کا اتفاق ہے کہ وہ دونوں **یقیناً بلا شبہ مومن اور جنتی ہیں** اُن حضرات کو کافر کہنا بہت بڑی کم نصیبی؛ بلکہ بہت بڑی جُرأت ہے۔

❁ حضرت امام ابو بکر ابن العربی سے پوچھا گیا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ معاذ اللہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین جہنم میں ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ شخص ملعون ہے؛ کیوں کہ اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف دی ہے اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف دے وہ ملعون ومردود ہے۔ [۳]

---

۱ [ملخصاً، از ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج:۲، ص:۶۹-۷۰]

۲ [ملخصاً من السیرۃ النبویۃ لابن ہشام مع الروض الانف، ج:۱، ص:۳۲۸، مطبوعہ دار الحدیث، قاہرہ]

۳ [ملخصاً وموضحاً، از سیرتِ مصطفیٰ، ص: از ۵۰ تا ۵۳]

دادا محترم اور چچا جان کی کفالت میں:

والدۂ محترمہ کے وصال کے بعد، دادا جان حضرت عبد المطّلِبْ رضی اللہ عنہ کو ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ اُنھوں نے بڑی الفت ومحبت کے ساتھ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پرورش کی۔ جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آٹھ برس کے ہوئے، تو دادا جان کا بھی انتقال ہو گیا اور آپ کی کَفالت کی ذمے داری، چچا ابو طالب نے قبول کی اور اُنھوں نے کَفالت کا حق ادا کر دیا۔[1]

بچپن کی ادائیں:

حضور سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بچپن کی اداؤں کے بارے میں حضرتِ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں:

- حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرشتے جھولا جُھلاتے تھے۔
- آقائے دو عالَم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے جھولے سے چاند کی جانب اشارہ کرتے تو چاند آپ کی انگلی کے اشاروں پر حرکت کرتا تھا۔
- نبیِّ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عام بچوں کی طرح کبھی بھی اپنے کپڑوں میں بَول و براز نہیں کیا؛ بلکہ ہمیشہ ایک معیَّن وقت پر رفعِ حاجت فرماتے تھے۔
- حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بچپن میں کبھی بھی کھیل کود میں شریک نہ ہوئے۔ اگر بچے بُلاتے تو کہہ دیتے کہ میں کھیلنے کودنے کے لیے نہیں پیدا کیا گیا۔[2]

آپ کے وسیلے سے بارش کا نزول:

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بچپن میں ایک مرتبہ عَرَب شریف میں بہت زبردست سوکھا پڑا،

---

[1] [ملخصاً من السیرۃ النبویۃ لابن ہشام مع الروض الانف، ج:۱، ص:از ۳۳۱ تا ۳۴۵، مطبوعہ دار الحدیث، قاہرہ]

[2] [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص:۶۷]

لوگ عرب کے سردار، ابو طالب کے پاس آکر فریاد کرنے لگے۔ ابو طالب، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ساتھ حرمِ کعبہ میں لائے اور اُن کے وسیلے سے بارش کی دعا مانگی۔

دورانِ دعا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انگلی کا اشارہ کیا۔ ایک دم چاروں طرف سے بادل نمودار ہوئے اور ایسا زور کا بارانِ رحمت برسا کہ عرب کی ساری زمینیں سیراب ہوگئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہِ کرم سے سارا عرب خوش حال اور نہال ہوگیا۔[1]

حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا کسبِ معاش:

جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نو، دَس برس کے ہوئے، تو آپ نے بعض لوگوں کی بکریاں اُجرت پر چَرانا شروع کر دیں؛ تاکہ اپنے چچا ابو طالب کا ہاتھ بٹا سکیں۔ چناں چہ امامِ بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ ربُّ العزت نے جس نبی کو بھی بھیجا ہے، اُس نے بکریاں چرائی ہیں۔ صحابۂ کرام نے عرض کیا: حضور! آپ نے بھی؟ فرمایا: میں بھی قَرَارِیط [قیراط کی جمع، دینار کی چھٹے حصے کی چوتھائی کو کہتے ہیں] کے عِوض مکہ والوں کی بکریاں چَرایا کرتا تھا۔[2]

ملکِ شام کا پہلا سفر اور بحیریٰ راہب:

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمرِ پاک بارہ برس کی ہوئی، تو آپ، اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ تجارتی قَافِلے میں، ملکِ شام کی طرف روانہ ہوئے۔ ملکِ شام کی طرف، آپ کا یہ پہلا سفر تھا۔ جب قافلہ ''بُصْریٰ'' نامی شہر پہنچا اور آپ نے بُحَیریٰ راہب [عیسائی سادھو] کے پاس قیام کیا، تو اُس نے آپ کو اُن نشانیوں کے ذریعے پہچان لیا جو ''توریت وانجیل'' میں اُس نے پڑھی تھیں۔

وہ دیکھتے ہی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر، پروانہ وار فدا ہوگیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ

---

[1] [ملخصاً از مدارج النبوۃ، ج:۲، بابِ دوم، ص:۴۲]

[2] [ملخصاً از ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حصۂ دوم، ص:۱۰۳]

تھام کر کہنے لگا:

یہ سارے جہاں کے سردار ہیں۔ اللہ انھیں سارے عالَم کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گا۔[1]

ملکِ شام کا دوسرا سفر، اور نسطورا راہب کا واقعہ:

جب ہمارے آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف ۲۵ ر برس کی ہوئی تو آپ کی صداقت و امانت دور دور تک پھیل گئی۔ لوگ آپ کو ''امین'' اور ''صادق'' جیسے عظیم الشان اَلقاب سے یاد کرنے لگے۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہرت سن کر، مکۂ مکرمہ کی ایک نہایت شریف و مُعَزَّز خاتون حضرت سیدتنا خدیجہ سلام اللہ علیہا نے، اپنا مالِ تجارت دے کر اُنھیں ملکِ شام جانے کی پیش کش کی اور کہا کہ جو رقم میں دوسروں کو دیتی ہوں اُس سے دگنی زائد رقم مَیں آپ کو دوں گی۔

پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِس درخواست کو منظور فرمالیا اور حضرتِ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تجارتی سامان لے کر، اُن کے غلام مَیسَرَہ کے ساتھ ملکِ شام تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچے، تو شہرِ بُصریٰ میں ''نَسطُورَا رَاہِب'' کی خانقاہ کے قریب، ایک درخت کے نیچے قیام فرمایا۔ نسطورا نے میسرہ کو قریب بلا کر اُن سے پوچھا:

درخت کے نیچے آرام کرنے والا کون ہے؟

میسرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعارف پیش کیا۔ اُس نے کہا:

اِس وقت درخت کے نیچے ٹھہرنے والا سوائے نبی کے کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

اُس کے بعد نسطورا نے کچھ علامتیں پوچھیں، جن کا میسرہ نے صحیح جواب دیا۔ نسطورا نے جواب سننے کے بعد پورے اطمینان و یقین کے ساتھ کہا:

---

[1] [ملخصاً و موضحاً من الروض الانف للامام السہیلی، ج:۱، ص: از ۳۴۵ تا ۳۴۹]

❁ بلاشبہ یہ نبی ہیں، اے میسرہ! تم اِن کا ساتھ نہ چھوڑنا، کاش کہ مجھے اِن کا زمانہ مِل جاتا![1]

حضرتِ خدیجہ، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے نکاح میں:

جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کامیاب تجارت کے بعد، ملکِ شام سے تشریف لائے، تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے، اپنے بالاخانے پر بیٹھ کر دیکھا کہ

❁ بادَل، حضرتِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر سایہ کیے ہوئے ہے۔

میسرہ سے پوچھنے پر پتہ چلا کہ بادل، راستے بھر آپ پر سایہ فگن رہا اور سخت دھوپ میں دو فرشتے بھی آپ پر سایہ کیے رہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی اِس عظمت وشان کو ملاحظہ کرنے کے بعد، اُنھوں نے آپ کو نکاح کا پیغام دیا، جسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے بخندہ پیشانی [خوشی خوشی] قبول فرمایا اور حضرت خدیجہ کو اپنی زَوجِیَّت کا شرف بخشا۔

❁ نکاح کے وقت حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی عمرِ مبارک ۲۵/ برس اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمرِ پاک ۴۰/سال کی تھی۔[2]

مقدس بیٹوں اور پاکیزہ بیٹیوں کی تعداد:

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ''کئی بچے'' ہوئے۔ سوائے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے، آپ کی تمام اولاد یعنی دو بیٹے اور چار بیٹیاں حضرتِ خدیجہ ہی کے بَطَن سے ہوئیں۔[3]

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت خدیجہ سے بڑی محبت فرماتے تھے، یہی وجہ ہے کہ اُن کی زندگی میں آپ نے دوسرا نکاح نہیں فرمایا۔ حضرتِ خدیجہ نے بھی خدمت کا حق ادا کیا اور اپنی ساری

---

۱ [ملخصاً من السیرۃ النبویۃ لابن ہشام مع الروض الانف، ج:۱،ص:۳۵۵،مطبوعہ دار الحدیث، قاہرہ۔
شرح الامام الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ، ج:۱،ص:۱۹۸،مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت]

۲ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص:۷۶۔۷۷]

۳ [ملخصاً از سیرتِ نبویہ لابن ہشام، ج:۱،ص:۳۵۹،مطبوعہ دار الحدیث، قاہرہ]

دولت حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے قدموں پر قربان کردی۔[۱]

کعبۂ مقدسہ کی تعمیرِ جدید:

جب ہمارے آقا صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی عمرِ پاک ۳۵ برس کی ہوئی تو آپ نے خانۂ کعبہ کی تعمیر میں حصہ لیا۔ اِس کی تفصیل کچھ یوں بیان کی جاتی ہے کہ اُس وقت بارش کے سبب، ایسا زوردار ''سَیلَاب'' آیا کہ حرمِ کعبہ کی پوری عمارت منہدم ہوگئی۔قریش نے اُس کی تعمیرِ نَو کا ارادہ کیا اور پہاڑوں سے پتھر اٹھا کرلانے لگے۔حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم بھی اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اِس میں شریک ہوئے۔[۲]

''کعبۂ مقدّسہ'' کی عِمارت جب حجرِ اسود تک پہنچ گئی ،تو اُسے دیوار میں نصب کرنے کے لیے قبیلوں میں سخت اختلاف رونما ہوا، ہر قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ یہ شرف اُسے حاصل ہو، اِس کے لیے وہ لوگ لڑنے مرنے پر آمادہ ہوگئے۔ بالآخر قریش کے ایک تجربہ کار بوڑھے شخص نے یہ فیصلہ کیا:

- کل جو شخص سب سے پہلے حرمِ کعبہ میں داخل ہو، اُس کو پنچ مان لیا جائے ، وہ جو فیصلہ کرے،سب اُسے تسلیم کریں۔

اِس رائے پر سب نے اتفاق کیا،خدا کی شان کہ دوسرے دن صبح کو جو شخص حرمِ کعبہ میں سب سے پہلے داخل ہوا، وہ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم تھے،آپ کا رخِ زیبا دیکھتے ہی سب پکار اُٹھے:

- ہم اِن کے فیصلے پر راضی ہیں۔

حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ایک چادر پر حجرِ اسود رکھ کر تمام قبیلوں کے سرداروں کو بلایا،سب نے چادر کے ایک ایک کونے کو پکڑ کر اُسے اٹھایا، جب چادر اوپر اُٹھ گئی تو حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنے ہاتھوں سے حجرِ اسود کو نصب فرما دیا۔

---

۱ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ،ص:۷۹]

۲ [ملخصاً از مدارج النبوۃ مترجم،ج:۲،ص:۴۶۔۴۷]

❁ آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اِس بے مثال حکمت ودانائی سے ایک بہت بڑی جنگ ہوتے ہوتے ٹل گئی۔[۱]

علاماتِ بعثت کا ظہور:

جب ہمارے آقا محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس زندگی کا چالیسواں سال شروع ہوا، تو آپ کی ذاتِ گرامی میں کئی تبدیلیاں رونما ہوئیں، مثلاً یہ کہ آپ:

❁ خَلوَت پسند ہوگئے، تنہائی میں ذوق وشوق سے خدا کی عبادت کرنے لگے اور دن رات خالقِ کائنات کے تصور میں مُستَغرَق رہنے لگے۔

اُن دنوں ایک نئی بات یہ بھی ظاہر ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو **اچھے اچھے خواب** نظر آنے لگے اور خواب میں جو کچھ نظر آتا، اُس کی تعبیر صبحِ صادق کی طرح ظاہر ہوجایا کرتی تھی۔[۲]

مکۂ مکرمہ سے تقریباً تین میل کی دوری پر ''حرا'' نامی پہاڑ کے اوپر، ایک غار ہے، جسے ''**غارِ حرا**'' کہا جاتا ہے، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر وبیشتر کئی کئی دنوں کا کھانا، پانی ساتھ لے جا کر، اُسی غار میں ربِ تبارک وتعالیٰ کی عبادت میں غرق رہنے لگے۔[۳]

نزولِ وحی کا آغاز:

جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف چالیس سال کی ہوگئی تو آپ کو مَنصَبِ بِعْثَت سے سرفراز کیا گیا۔ ایک دن حسبِ معمول آپ ''غارِ حرا'' میں مصروفِ عبادت تھے کہ حضرت جبریلِ امین حاضرِ خدمت ہوکر عرض گزار ہوئے: اِقْرَ اْیعنی پڑھیے!

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَا اَنَا بِقَارِئٍ۔ یعنی میں پڑھنے والا نہیں۔ اِس جواب پر

---

۱ [ملخصاً از مدارج النبوۃ مترجم، ج:۲، ص:۴۷]

۲ [الصحیح للامام البخاری، ج:۱، ص:۱]

۳ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص:۸۹]

اُنھوں نے آپ کو دو مرتبہ پوری قوت کے ساتھ دبایا اور کہا: اِقْرَأْ ! آپ نے دونوں بار وہی جواب دیا۔ تیسری مرتبہ اُس فرشتے نے کہا:

- اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ف خَلَقَ الاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ف اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ف الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ف عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝۔ ترجمہ: اپنے رب کے نام سے پڑھیے! جس نے آپ کو پیدا کیا، اُس نے انسان کو خونِ بستہ سے پیدا کیا، پڑھیے! اور آپ کا رب بہت ہی کریم ہے، جس نے قلم سے سکھایا، انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔[1]

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کا نام سنا تو فوراً پڑھنا شروع کر دیا۔ اِس طرح آپ پر نزولِ وحی کا آغاز ہوا۔[2]

گھر واپس آنے کے بعد، اپنی انتہائی معتبر اور پیاری بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پورا واقعہ بیان کیا، اُنھوں نے تَسَلّی دیتے ہوئے کہا:

- خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔
- آپ تو رشتے داروں کے ساتھ بہترین سلوک کرتے ہیں۔
- دوسروں کا بار خود اٹھاتے ہیں اور کما کر محتاجوں کو عَطا فرماتے ہیں۔
- مسافروں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور سب کی مصیبتوں میں کام آتے ہیں۔[3]

تبلیغِ اسلام کی ابتدا:

سورۂ اِقْرَ اْ کی پہلی پانچ آیتیں نازل ہونے کے بعد، کچھ دنوں تک وَحیِ اِلٰہی کا سلسلہ موقوف رہا۔ پھر یہ آیتیں نازل ہوئیں:

---

۱ [سورۂ اقرأ، آیت نمبر: ۱ تا ۵]

۲ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص: ۹۰]

۳ [الصحیح للامام البخاری، باب من الوحی الرؤیا الصالحۃ، رقم الحدیث: ۳]

یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُۙ قُمْ فَاَنْذِرْۙ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْۙ وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْۙ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْۙ ترجمہ: اے چادر پوش! اُٹھیے! اور ڈر سنایئے! اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجیے! اور اپنے کپڑے پاک رکھیے! اور پَلِیدِی کو چھوڑ دیجیے![1]

اِن آیتوں کے نازل ہونے کے بعد ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے **خُفیہ طریقے پر** آہستہ آہستہ **اسلام کی تبلیغ شروع فرمادی**۔ جو لوگ آپ سے زیادہ قریب تھے اور جن پر آپ کو بھرپور اعتماد تھا، آپ نے سب سے پہلے اُن کو تبلیغ کی۔[2]

سب سے پہلے کلمہ پڑھنے والے خوش بخت:

ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **مکمل تین برس تک** اِنتہائی پوشیدہ طور پر نہایت راز داری کے ساتھ، تبلیغِ اسلام کا فرض ادا فرماتے رہے۔ اِس درمیان عورتوں میں سب سے پہلے آپ کی زوجۂ محترمہ امّ المومنین حضرت سیدتنا خدیجہ، آزاد مَردوں میں سب سے پہلے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق، لڑکوں میں سب سے پہلے مولائے کائنات حضرتِ علی اور غلاموں میں سب سے پہلے حضرتِ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ایمان لائے۔[3]

اِن حضرات کے بعد **متعدد خوش نصیب** دامنِ اسلام سے وابستہ ہوئے، مثلاً حضرتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے متاثر ہوکر، حضرتِ عثمان بن عفان، حضرت سعد بن ابو وقاص، حضرتِ طلحہ بن عبید اللہ، حضرتِ عبد الرحمٰن بن عوف اور حضرتِ زبیر بن عوّام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین زیورِ ایمان سے آراستہ ہوئے۔[4]

---

۱ [سورۂ مدثر، آیت نمبر: ۱ تا ۵]

۲ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص: ۹۱]

۳ [ملخصاً از مدارج النبوۃ مترجم، ج: ۲، ص: ۵۸]

۴ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص: ۹۲]

قریبی رشتے داروں میں رِسالت کا اعلان:

تین سال کی خفیہ تبلیغ کے بعد اللہ ربُّ العزت نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سورۂ شُعَرَا کی یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی:

❁ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ترجمہ: اے محبوب! آپ اپنے قریبی رشتے داروں کو ڈرایئے![1]

اِس آیتِ مبارکہ کے ذریعے پروردِگارِ عالَم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے رشتے داروں میں اعلانِ نبوت کرنے کا حکم دیا۔ چناں چہ ''کوہِ صَفَا'' کی چوٹی پر چڑھ کر حضور تاج دارِ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلۂ قریش کو جمع فرما کر خدا کا پیغام سنایا اور ارشاد فرمایا:

❁ میں تمھیں عذابِ اِلٰہی سے ڈرا رہا ہوں، میں اللہ کا رسول ہوں، اگر تم لوگ مجھ پر ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذابِ اِلٰہی نازل ہو کر رہے گا۔

یہ سن کر آپ کے خاندان والے سخت برہم ہوئے اور آپ کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنے لگے۔ اُس وقت سب سے زیادہ بدتمیزی آپ کے چچا ''ابولہب'' نے کی۔[2]

کھلے عام تبلیغِ اسلام:

اللہ ربُّ العزت نے اعلانِ نبوت کے چوتھے سال جب سورۂ حِجْر کی یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی:

❁ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ۔ ترجمہ: اے محبوب! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اُسے علی الاعلان بیان فرما دیجیے! اور مشرکوں سے اِعراض کریے! [سورۂ حجر، آیت نمبر: ۹۴] تو ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھلے عام اسلام کی تبلیغ کرنے لگے اور کھلم کھلا توحید کی تعریف اور شرک و بت

---

۱ [سورۂ شعرا، آیت نمبر: ۲۱۴]

۲ [ملخصاً من الصحیح للامام البخاری، المجلد الثانی، ص: ۷۰۲]

پرستی کی مذمت فرمانے لگے۔ یہ دیکھ کر صرف کفارِ مکہ ہی نہیں بلکہ پورا عرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مخالفت پر آمادہ ہوگیا۔[۱]

رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ظلم وستم کا آغاز:

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے علی الاعلان بت پرستی کی مذمت شروع کی تو کفارِ مکہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑنے لگے اور مختلف طریقوں سے آپ کو پریشان کرنے لگے۔ اُن کی زیادتیوں اور ایذارسانیوں کی داستان رقم کرنا تو قلم کے بس میں نہیں؛ البتہ اُس کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں؛ تاکہ ہم نافرمانوں کو اندازہ ہوسکے کہ ہم تک خدا کا پیغام پہنچانے کے لیے ہمارے آقا و مولا حضور جانِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کس قدر مشقتیں برداشت کی ہیں:

- کفار حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جادوگر، دیوانہ اور شاعر کہتے، آپ پر پھبتیاں کستے اور آپ کی شانِ ارفع واعلیٰ میں نازیبا باتیں کہتے۔
- آپ کی راہوں میں کانٹے بچھاتے اور آپ پر پتھروں کی برسات کرتے۔
- کبھی آپ کو دھکے دیتے، کبھی گردنِ اقدس پر نجاست ڈالتے اور کبھی گلے میں چادر کا پھندا ڈال کر گھونٹنے کی کوشش کرتے۔
- ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب قرآنِ کریم کی تلاوت فرماتے تو وہ آپ کو اور حضرتِ جبریلِ امین کو گالیاں دیتے اور شوروغل کرتے؛ تاکہ قرآنِ مقدس کی آواز کسی کو سنائی نہ دے۔[۲]

چند انتہائی شریر کفار:

چند کُفّار و مُشرکین ایسے تھے جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تکلیف پہنچانے میں حد کردی تھی، یہ بدبخت دن رات [معاذ اللہ] حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایذا رسانی میں مصروف رہا کرتے تھے۔ ایسا معلوم

---

۱ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص: ۱۹۴- مدارج النبوۃ مترجم، ج: ۲، ص: ۵۸]

۲ [ملخصاً از ضیاء النبی، ج: ۲، ص: از ۳۰۳ تا ۳۱۰]

ہوتا تھا کہ ہمارے نبی ﷺ اور مسلمانوں کو ستانے کے علاوہ **اُن کا کوئی دوسرا کام ہی نہیں ہے**، اُن بدبختوں کے نام یہ ہیں:

ابولہب ۔ ابوجہل ۔ ولید بن مغیرہ ۔ امیہ بن خلف ۔ اُبَیْ بن خلف ۔ عُقبہ بن ابومُعَیْط ۔ حکم بن ابوالعاص وغیرہم ۔[1]

مسلمانوں پر جاں گداز مظالم:

غریب مسلمانوں کے ساتھ **کفارِ مکہ نے انتہائی ظالمانہ سلوک کیا**۔ اُن سنگ دل، بے رحم، درندہ صفت ظالموں نے حضورِ اقدس ﷺ کے غلاموں پر ظلم وستم کے ایسے پہاڑ توڑے جنھیں پڑھنے اور سننے کے بعد **جسم کا ایک ایک رونگٹا کھڑا ہو جاتا ہے**۔ مگر تاریخ گواہ ہے کہ شرابِ توحید کے اِن مَستوں نے اپنی ثابت قدمی کا وہ منظر پیش کیا جس کی کوئی نظیر نظر نہیں آتی۔

اُن بدبخت ظالموں نے بے کس مسلمانوں پر ظلم وستم کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔ مگر خدا کی قسم! وہ ایک بھی مسلمان کے پائے استقامت میں ''تزَلزُل'' پیدا نہ کر سکے اور حضور ﷺ کا کوئی ایک غلام بھی اسلام سے منہ موڑ کر کافر و مرتد نہیں ہوا۔

کفارِ مکہ نے مسلمانوں پر ظلم کے بے پناہ اندوہ ناک مظالم ڈھائے اور اُنھیں ایسے جان سوز عذابوں میں مبتلا کیا کہ اگر مسلمانوں کی جگہ بلند و بالا پہاڑ بھی ہوتے تو شاید ڈگمگانے لگتے، مگر اُن نفوسِ قدسیہ کے پائے استقلال میں **جنبش تک نہ آئی**۔ اُس داستانِ ظلم وستم کی **کچھ جھلکیاں پیش کی جا رہی ہیں**؛ تاکہ ہمارے ایمان میں مزید پختگی پیدا ہو۔

- مسلمانوں کی ننگی پشتوں پر کوڑے برسا کر زخمی کرتے پھر سخت دھوپ میں، تنُّور کی طرح تیز گرم رِیت پر زخموں کے بَل لٹاتے اور پیٹ پر بھاری بھر کم پتھر رکھ دیتے؛ تاکہ کروٹ نہ بدلنے پائیں۔

---

[1] [مصدرِ سابق]

- لوہے کی سلاخوں کو آگ میں گرم کر کے سرخ کرتے اور اُن سے مسلمانوں کے جسموں کو داغ دیتے۔
- پانی میں اِس قدر ڈبکیاں دیتے کہ اُن کا دَم گُھٹنے لگتا۔
- چٹائیوں میں لپیٹ کر اُن کی ناکوں میں اِس قدر دھواں دیتے کہ سانس لینا مشکل ہو جاتا اور وہ کرب و بے چینی سے بدحواس ہو جاتے۔[1]

کفار کا وفد رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں:

حضور ﷺ کو تبلیغِ دین سے روکنے کے لیے کفارِ مکہ نے ایذا رسانی کے علاوہ ایک دوسری تدبیر بھی اختیار کی۔ وہ یہ کہ انھوں نے کفار کے سرغنہ **عتبہ بن ربیعہ** کے ذریعے حضور ﷺ سے یہ کہلوایا:

- اے **محمد**! [ﷺ] آخر اِس دعوتِ اسلام سے آپ کا مقصد کیا ہے؟ آپ سردار بننا چاہتے ہیں، دولت و عزت کے خواہش مند ہیں یا کسی بڑے گھرانے میں شادی کرنا چاہتے ہیں؟ آپ اپنی خواہش بیان کریں! آپ یقین کریں! آپ کی ہر آرزو پوری کی جائے گی۔ بس آپ اسلام کی تبلیغ سے باز آ جائیں!

عتبہ بن ربیعہ کی ساحرانہ تقریر سن کر حضور ﷺ نے قرآنِ کریم کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں۔ جنھیں سننے کے بعد، **جلالِ الٰہی** سے **عتبہ** کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے، اُس کے بدن کا ایک ایک بال خوفِ ربِّ ذوالجلال سے لرزنے اور کانپنے لگا۔ اُس نے رسول اللہ ﷺ کے پاکیزہ منہ پر ہاتھ رکھ کر رشتے داری کا واسطہ دیتے ہوئے درخواست کی:

- آپ خاموش ہو جائیے! اِس کلام کی عظمت سے میرا کلیجہ پھٹا جا رہا ہے۔ عتبہ بن ربیعہ نے واپس آ کر سردارانِ قریش کو مشورہ دیا:

---

[1] [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص:۹۶-۹۷]

تم لوگ محمد [صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] کو اُن کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر وہ کامیاب ہوگئے تو تمھاری ہی عزت بڑھے گی؛ ورنہ سارا عرب انھیں خود ہی فنا کر دے گا۔ مگر قریش کے سرکش کافروں نے اُس کی بات نہ مانی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذا رسانیوں میں مزید اضافہ کر دیا۔[1]

چچا ابو طالب کی نصیحت اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جواب:

جب چچا ابو طالب نے سمجھاتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ کہا:

پیارے بھتیجے! اپنے بوڑھے چچا کی سفید داڑھی پر ترس کھاؤ! مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ میں برداشت نہ کر سکوں۔ اب تک قریش کا بچہ بچہ میرا احترام کرتا تھا؛ مگر اب اُن کا لب ولہجہ بدل چکا ہے۔ وہ تمھارے اور میرے خلاف تلوار اٹھانے سے بھی گریز نہ کریں گے۔ اِس لیے اسلام کی دعوت کو چند دنوں کے لیے موقوف کر دو۔

اس پر آقاے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جذبات سے لبریز آواز میں فرمایا:

چچا جان! اگر قریش میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند لا کر رکھ دیں تب بھی میں اِس دعوت سے باز نہ آؤں گا۔ یا تو خدا مجھے کامیاب فرما دے گا یا میں اِسی دینِ اسلام پر قربان ہو جاؤں گا۔

یہ سن کر ابو طالب نے نہایت گرم جوشی کے ساتھ کہا: نورِ نظر! جاؤ دین کا کام کرو! جب تک میں زندہ ہوں کوئی تمھارا ایک بال بھی بیکا نہیں کر پائے گا۔[2]

حبشہ کی طرف ہجرت:

جب کفارِ مکہ نے مسلمانوں کا جینا دوبھر کر دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنھیں حبشہ کی جانب ہجرت کرنے کا حکم دیا؛ کیوں کہ وہاں کا بادشاہ ''نَجَاشی'' عیسائی ہونے کے باوجود نہایت انصاف

---

۱ [ملخصاً از ضیاء النبی، ج:۲، ص:۲۸۰ تا ۲۸۲]

۲ [ملخصاً از ضیاء النبی، ج:۲، ص:۲۷۴-۲۷۵]

پسند اور رحم دل تھا۔ چناں چہ اعلانِ نبوت کے پانچوے سال، رجب کے مہینے میں گیارہ مرد اور چار عورتوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی۔

کفار کا سفیر نجاشی کے دربار میں:

اِن پندرہ مسلمانوں کے حبشہ چلے جانے کے بعد قریش کے ظالموں کو یہ گوارا نہ ہوا کہ توحید کے متوالے حبشہ میں چین وسکون کے ساتھ رہیں، چناں چہ اُنھوں نے قیمتی تحفوں کے ساتھ اپنے کچھ لوگوں کو حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے دربار میں بھیجا۔ اُنھوں نے نجاشی کے پاس جا کر فریاد کی:

- اے بادشاہ! ہمارے کچھ مجرم مکہ سے بھاگ کر آپ کے ملک میں آگئے ہیں، آپ اُنھیں ہمارے حوالے کر دیں۔

بادشاہ نے مسلمانوں کو اپنے دربار میں بلا کر حقیقتِ حال دریافت کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کی نمائندگی کرتے ہوئے بادشاہ کے روبرو، یہ تقریر کی:

- اے بادشاہ! ہم نہایت جاہل وظالم قوم تھے، بتوں کی پوجا کرتے، مُردار کھاتے اور مختلف قسم کی بداعمالیاں کیا کرتے تھے۔ اللہ نے ہمارے حال پر رحم فرما کر ہم میں ایک ایسے رسول کو بھیجا جس کے حسب ونسب اور امانت وصداقت سے ہم اچھی طرح واقف تھے۔ اُنھوں نے ہمیں بت پرستی، ظلم وزیادتی اور ہر طرح کی برائیوں سے روک کر ایک خدا کی عبادت کرنے کا حکم دیا۔ ہم نے اُنھیں اللہ کا رسول مان کر ہر قسم کے گناہوں سے توبہ کر لی۔ بس اِسی سے ناراض ہو کر ہماری قوم نے ہم پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے۔ ہم نے آپ کے ملک میں پناہ لی ہے؛ لیکن یہ [ظالم] ہمیں یہاں سے نکال کر اُسی ظلم کے ماحول میں لے جانا چاہتے ہیں۔

حضرت جعفر کی تقریر سن کر شاہِ حبشہ نجاشی بے حد متأثر ہوا۔

یہ منظر دیکھ کر کافروں نے اپنے ترکش کا آخری تیر پھینکتے ہوئے کہا:

بادشاہ سلامت! یہ لوگ آپ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں دوسرا عقیدہ رکھتے ہیں۔

بادشاہ نے اِس بارے میں حضرتِ جعفر سے پوچھا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں یہی بتایا ہے کہ حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام، اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ خدا نے اُنھیں اپنی قدرتِ کاملہ کا نشان بنا کر کنواری مریم سلام اللہ علیہا کے شکمِ مبارک سے بغیر باپ کے پیدا کیا ہے۔

پھر حضرت جعفر نے سورۂ مریم کی تلاوت کی۔ کلامِ ربانی کی تاثیر سے بادشاہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اس نے کہا:

بے شک قرآنِ مقدس اور انجیلِ پاک دونوں ایک ہی آفتابِ ہدایت کے دو نور ہیں۔ یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے اور رسول ہیں۔ اس کے بعد بادشاہ نے کفارِ مکہ کو اپنے دربار سے نکال کر مسلمانوں کو امن وسکون کے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی۔[1]

حضرتِ عمر اور حضرتِ حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما آغوشِ اسلام میں:

اعلانِ نبوت کے چھٹے سال کئی اہم واقعات رونما ہوئے۔ اُن میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے محبوب چچا حضرتِ حمزہ بن عبد المطلب اور حضرتِ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا دامنِ اسلام سے وابستہ ہونا سب سے اہم ہے۔ اِن حضرات کے مسلمان ہو جانے سے اسلام اور مسلمانوں کے جاہ وجلال اور اُن کی عزت واِقبال کا پرچم بہت ہی بلند ہو گیا اور کفر پر لرزہ طاری ہو گیا۔

حضرتِ حمزہ رضی اللہ عنہ مکۂ مکرمہ کے بہادروں میں شمار کیے جاتے تھے۔ آپ شکار کرنے کے بے حد شوقین تھے۔ روزانہ صبح کو جاتے اور شام کو تشریف لاتے تھے۔ ایک دن شکار سے واپس آئے تو اُن کی بہن حضرتِ صفیہ رضی اللہ عنہا نے اُن سے کہا:

---

[1] [ملخصاً من الروض الانف للامام السہیلی، ج:۲، ص:۱۰۲ تا ۱۲۷۔ مطبوعہ دار الحدیث، قاہرہ]

ابوجہل نے آج تمھارے بھتیجے **محمد** [ﷺ] کی بڑی بے ادبی اور گستاخی کی ہے۔

یہ سن کر حضرتِ حمزہ کا خون کھول گیا، تیر کمان لے کر سیدھا حرم شریف لے گئے اور اپنی کمان سے ابوجہل کے سر پر اِس قدر زور سے مارا کہ **اُس ملعون و مردود کا سر پھٹ گیا**۔ اُس کے بعد اُس خبیث سے کہا:

تو میرے بھتیجے کو اِس لیے مارتا ہے کہ وہ دینِ حق کی دعوت دیتا ہے۔ کان کھول کر سن لے! میں بھی اُنھی کے دین پر ہوں۔ تجھے جو کرنا ہے کر لے۔ حضرتِ حمزہ رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہو جانے سے اسلام کو بڑی تقویت حاصل ہوئی۔[1]

حضرتِ عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے **مشرَّف بہ اسلام** ہونے کا واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے:

ایک دن آپ ننگی تلوار لے کر پیغمبرِ اسلام [فداہ ابی وامی] کو شہید کرنے کی نیت سے جا رہے تھے۔ راستے میں حضرت نُعَیم بن عبد اللہ نے پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟ کہنے لگے: آج بانیِ اسلام کا فیصلہ کرنے جا رہا ہوں۔ انھوں نے کہا:

اپنے گھر کی خبر لو؛ کیوں کہ تمھاری بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہو چکے ہیں۔

حضرتِ عمر نہایت غصے کی حالت میں بہن کے گھر پہنچے۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ گھر میں موجود مسلمان ڈر گئے۔ بہن نے دروازہ کھولا۔ حضرت عمر نے اپنی بہن سے گرج دار آواز میں پوچھا: کیا تو مسلمان ہوگئی ہے؟ یہ کہہ کر اپنے بہنوئی حضرت سعید بن زید اور اپنی بہن فاطمہ بنت خطاب کو بے تحاشہ مارنے لگے۔ دونوں نے بیک زبان کہا:

تمھیں جو کرنا ہے کرلو؛ لیکن اسلام کی محبت دل سے نہیں نکل سکتی۔

بہن کا بہتا خون دیکھ کر حضرت عمر کا دل نرم پڑا، بولے: لاؤ! دیکھیں، تم لوگ کیا پڑھ رہے

---

[1] [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص:۱۰۹-۱۱۰]

تھے۔ بہن نے قرآن کے اوراق سامنے کیے۔ جیسے ہی قرآن کی آیتیں پڑھیں، دل کی دنیا بدل گئی اور بے ساختہ زبان پر جاری ہو گیا:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

حضرتِ عمر کے اسلام لانے سے حضور ﷺ اور مسلمانوں کو بے حد خوشی حاصل ہوئی حتی کہ ہمارے آقا ﷺ نے اپنی زبانِ اقدس سے نعرۂ تکبیر بلند فرمایا اور مسلمانوں نے ایسا زوردار نعرہ لگایا کہ مکہ کی وادیاں گونج اٹھیں۔[1]

مسلمانوں کا سوشل بائیکاٹ:

اعلانِ نبوت کے ساتویں سال ''شِعبِ ابو طالب'' میں محصوری کا دل دہلا دینے والا واقعہ پیش آیا۔ جب کفار نے دیکھا کہ پیغمبرِ اسلام ﷺ کسی بھی طرح اپنی تبلیغ سے باز نہیں آرہے ہیں اور اسلام تیزی سے پھیلتا جا رہا ہے تو انھوں نے یہ طے کیا کہ **حضور ﷺ کے خاندان کا سوشل بائیکاٹ کیا جائے** اور اُن لوگوں سے:

- کسی قسم کی خرید و فروخت نہ کی جائے۔
- شادی بیاہ اور رشتے داری نہ کی جائے۔
- اُن سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھا جائے۔
- اُنھیں کھانے پینے کا کوئی سامان نہ دیا جائے۔

اِس معاہدے پر تمام کافروں نے دستخط کیے، پھر اُسے ایک تھیلے میں رکھ کر خانۂ کعبہ میں لٹکا یا گیا۔ جنابِ ابو طالب، حضور ﷺ اور خاندان کے دوسرے لوگوں کو لے کر، نا چاہتے ہوئے، پہاڑ کی ایک گھاٹی میں بند ہو گئے۔ مسلمان بھوک، پیاس اور طرح طرح کی جاں سوز مصیبتیں

[1] [ملخصاً از سیرتِ مصطفی، ص: ۱۱۰-۱۱۱]

برداشت کرتے ہوئے تین سال تک اُس گھاٹی میں رہے۔[1]

یہ ظالمانہ ''بائیکاٹ'' تین سال کے بعد ختم ہوا۔ اِس کا سبب یہ ہوا کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے اپنے علمِ غیب سے فرمایا:

قریش کا لکھا ہوا معاہدہ دیمک چاٹ گئی ہے، سوائے لفظ ''اللہ'' کے۔ ابو طالب نے یہ بات قریش کو بتائی۔ انھوں نے کہا: اگر محمد [ﷺ] سچے ثابت ہوئے تو ہم مسلمانوں کو گھاٹی سے نکلنے کی اجازت دے دیں گے۔ جب خانۂ کعبہ میں جا کر دستاویز دیکھا گیا تو سب حیران رہ گئے کہ واقعی حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق دیمک نے سوائے لفظِ اللہ کے سارا دستاویز چٹ کر لیا ہے۔ اِس واقعے کے بعد مسلمانوں کو اُس گھاٹی سے نکلنے کی اجازت دے دی گئی۔[2]

غم کا سال:

اعلانِ نبوت کے دسویں سال کو ''عَامُ الْحُزْنِ'' یعنی غم کا سال کہا جاتا ہے؛ کیوں کہ اِس سال ہمارے آقا و مولا ﷺ کے لیے دو نہایت جاں گداز اور روح فرسا حادثات پیش آئے:

ایک یہ کہ ہمارے آقا ﷺ کے نہایت مشفق و مہربان چچا، حضرت علی مولائے کائنات کے والد، ابو طالب انتقال کر گئے۔ اگر چہ ابو طالب آخری دم تک ایمان نہ لائے؛ مگر انھوں نے حضور ﷺ کی پشت پناہی اور نصرت وحمایت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ اُن کی وفات سے رسول اللہ ﷺ کو بہت صدمہ ہوا۔

دوسرا یہ کہ آقائے دو جہاں ﷺ کی غم گسار اور اسلام کی سچی وفادار اُمُّ المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ابو طالب کی وفات کے تین دن بعد انتقال کر گئیں۔ اُن کے وصالِ جاں کاہ سے بھی حضورِ اقدس ﷺ کو بہت رنج و غم ہوا۔ مسلسل صدموں کی وجہ سے حضور ﷺ نے

---

۱ [ملخصاً من المواهب اللدنیۃ للقسطلانی، ج:۱،ص:۲۷۸، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت، لبنان]

۲ [ملخصاً از مدارج النبوۃ مترجم، ج:۲،ص:۷۰]

اس سال کا نام ''عامُ الحزن''، یعنی غم کا سال رکھا۔[1]

رحمتِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف میں:

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین کی تبلیغ کے لیے اعلانِ نبوت کے دسویں سال اپنے غلام حضرت زید بن حارثہ کے ساتھ ''طائف'' کا سفر کیا اور وہاں کے رئیسوں اور سرداروں سے ملاقات کرکے اُنھیں اسلام کی دعوت دی؛ لیکن اُنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ انتہائی بے ہودہ سلوک کیا اور طائف کے غنڈوں کو گستاخی کرنے پر ابھارا۔ اُن لُچے لفنگوں نے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پتھروں کی برسات کی جس سے آپ کا جسمِ نازنیں لہولہان ہوگیا۔

''طائف'' سے واپسی پر حضرت جبریل علیہ السلام حضور سرورِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض گزار ہوئے:

- یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ پہاڑوں کا فرشتہ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہے۔

اُس فرشتے نے کہا:

- یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کا جواب سن لیا ہے۔ اُس نے مجھے آپ کی خدمتِ اقدس میں بھیجا ہے۔ اگر آپ کہیں تو میں اِن دونوں پہاڑوں کو اِن کافروں پر الٹ دوں؛ تاکہ یہ پِس کر ہلاک و برباد ہوجائیں! یہ سن کر ہمارے رحیم وکریم آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

- نہیں؛ بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اِن کی نسلوں سے ایسے بندوں کو پیدا فرمائے گا جو صرف اللہ کی بندگی کریں گے اور کسی کو اُس کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔[2]

سفرِ معراج اور دیدارِ الٰہی:

قرآنِ کریم کے بعد ''سیرِ معراج'' ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوسرا سب سے بڑا معجزہ ہے،

---

۱ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص: ۱۱۵-۱۱۶۔ و مدارج النبوۃ مترجم، ج: ۲، ص: ۷۳]

۲ [الصحیح للامام البخاری، باب ذکر الملائکۃ، ج: ۱، ص: ۴۵۸۔ و ملخصاً از ضیاء النبی، ج: ۲، ص: ۴۴۰ تا ۴۴۷]

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راہِ خدا میں مختلف تکلیفیں لاحق ہوئیں اور طائف کے کافروں نے آپ کے ساتھ انتہائی نازیبا سلوک کیا تو اللہ عز وجل نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دل جوئی کے لیے اُنھیں معراج کی سیر کرائی۔ سفرِ معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو درج ذیل نعمتوں سے نوازا گیا:

- آقاے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم براق پر سوار ہو کر مسجدِ اقصیٰ تشریف لے گئے جہاں تمام انبیا و مرسلین علیہم الصلاۃ والسلام نے آپ کی اقتدا میں نماز ادا کرنے کا شرف حاصل کیا۔
- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمین و آسمان، عرش و کرسی، جنت و دوزخ، سدرۃ المنتہیٰ اور لامکاں کی سیر فرمائی۔
- اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ماتھے کی نگاہوں سے رب تعالیٰ کا دیدار کیا اور ہمارے لیے پانچ نمازوں کا تحفہ لائے۔[1]

بیعتِ عَقَبَۂ اُولیٰ:

''بیعتِ عَقَبَۂ اُولیٰ'' کا واقعہ اعلانِ نبوت کے گیارہویں سال پیش آیا۔ تبلیغِ اسلام کے سلسلے میں اِسے بڑی اہمیت حاصل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایامِ حج میں مِنیٰ کے میدان میں تشریف لے گئے۔ یہاں ایک گھاٹی کے پاس آپ کی ملاقات مدینۂ منورہ سے آئے ہوئے چھ لوگوں سے ہوئی۔

یہ لوگ اگرچہ بت پرست تھے، مگر یہودیوں کی زبانی آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری نشانیاں سن چکے تھے۔ اُنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس میں وہ ساری نشانیاں پائیں تو کلامِ الٰہی سن کر فوراً مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

اُن چھ خوش نصیبوں کے اسماے گرامی یہ ہیں:

- حضرت اَبُو اُمَامَہ اَسْعَدْ بن زُرَارَہ
- حضرت اَبُو الْہَیْثَم بْنِ تَیِّہَانْ۔
- حضرت رافع بن مالک۔
- حضرت عَوْف بن حارث۔

[1] [ملخصاً از شرح الامام الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ، ج:۱، ص:۳۰۶-۳۰۷- وضیاء النبی ج:۲، ص:۴۸۱-۵۲۷-۵۴۰]

- حضرت جابر بن عبداللہ۔ رضی اللہ عنہم۔
- حضرت قُطبہ بن عامر۔

اِن حضرات نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مندرجہ ذیل باتوں پر پختہ عہد کیا:

- ہم ایک خدا کی عبادت کریں گے، کسی کو اُس کا شریک نہیں بنائیں گے۔
- چوری اور زنا نہیں کریں گے۔
- اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔
- نہ کسی پر جھوٹی تہمت لگائیں گے اور نہ کسی کی چغلی کریں گے۔
- تمام معاملات میں نبیِّ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کریں گے۔[1]

مدینۂ منورہ میں اسلام کی روشنی:

دامنِ اسلام سے وابستہ ہوجانے کے بعد جب یہ چھ خوش نصیب حضرات، اپنے وطن ''مدینۂ منورہ'' جانے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے ساتھ اسلام کی تبلیغ کے لیے ''حضرتِ مُصعَب بن عُمَیر''، رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ اِس عظیم مبلغ کی کاوشوں سے چند ہی دنوں میں مدینۂ منورہ کے کئی بڑے سردار مسلمان ہو گئے، حتیٰ کہ مدینے کے سب سے بڑے سردار ''حضرت سعد بن معاذ'' بھی مشرف بہ اسلام ہو گئے اور اُن کے ساتھ اُن کی پوری قوم بھی دامنِ اسلام سے وابستہ ہوگئی۔[2]

بیعتِ عقبۂ ثانیہ:

حضرت مُصعَب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تبلیغ کا اثر یہ ہوا کہ اگلے سال ۷۳ / مردوں اور ۲ / عورتوں کا قافلہ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ آنے کی دعوت دینے کے لیے مکۂ مکرمہ آیا۔ یہ حضرات اُسی مقام پر ٹھہرے جہاں ایک سال قبل چھ خوش نصیبوں نے بیعت کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے فرمایا:

- کیا تم دینِ حق کی اشاعت میں میری پوری مدد کروگے؟

---

۱ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص: ۱۲۳ - ۱۲۴]

۲ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص ۱۲۴]

- جب میں مدینہ آؤں گا تو تم لوگ میری اور میرے ساتھیوں کی اپنے اہل وعیال کی طرح حمایت کروگے؟

اُنھوں نے کہا: ہمیں اِس کا کیا بدلہ ملے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمھیں جنت ملے گی، جو خدا کی خوش نودی کی جگہ ہے۔ اُنھوں نے کہا: آپ ہمارا ساتھ تو نہیں چھوڑیں گے؟ یہ سن کر کونین کے سردار نے مسکراتے ہوئے اُنھیں یہ مژدۂ جاں فزا سنایا:

- اطمینان رکھو! میرا خون تمھارا خون ہے، میرا جینا مرنا تمھارے ساتھ ہے، میں تمھارا ہوں تم میرے ہو، تمھارا دوست میرا دوست اور تمھارا دشمن میرا دشمن ہے۔

اِس جملے کو سن کر عاشقانِ رسالت بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے، سب سے پہلے ''بَرا بن معرور'' نے بیعت کی۔ اِسی کو ''بیعتِ عقبۂ ثانیہ'' کہا جاتا ہے۔[1]

بارہ نقیبوں کے نام:

بیعت ہو جانے کے بعد، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینۂ منورہ میں دعوت وتبلیغ کے لیے، اِنھی حضرات میں سے ''بارہ آدمیوں'' کا انتخاب فرمایا، نَو آدمی قبیلۂ خَزرَج اور تین اشخاص قبیلۂ اَوس سے لیے اور ارشاد فرمایا:

جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے لیے بارہ اشخاص کو چُن لیا تھا، اِسی طرح میں نے تمھیں منتخب کرلیا ہے۔ اِنھی نفوسِ قدسیہ کو ''بارہ نقیب'' کہا جاتا ہے۔

اُن کے اسماے گرامی یہ ہیں:

- اَسعَد بن زُرارَہ
- رافع بن مالک
- عُبادَہ بن صامِت
- سعد بن ربیع
- مُنذِر بن عَمرو
- عبداللہ بن رَواحہ

---

[1] [ملخصاً من السیرۃ النبویۃ للامام ابن ہشام، ج:۲، ص:۲۹۲ تا ۲۹۵، مطبوعہ دار الحدیث، قاہرہ]

- بَرا ابن مَعرور
- عبداللہ بن عَمرو
- سعد بن عُبادہ
- اُسَید بن حُضَیر
- سعد بن خَیثمہ
- ابوالہیثم بن تَیہان ۔[1]

مدینۂ طیبہ کی جانب ہجرت کا آغاز:

جب اہلِ مدینہ کی ایک بڑی تعداد حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئی اور مدینۂ منورہ میں مسلمانوں کو پناہ گاہ مِل گئی تو آقاے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو ''مدینۂ منورہ'' کی جانب ہجرت کرنے کی عام اجازت دے دی، اجازت ملنے کے بعد مسلمانوں نے چھپ چھپ کر ہجرت کا سلسلہ شروع کر دیا اور اکثر مسلمان ہجرت کر کے مدینۂ منورہ تشریف لے آئے ۔[2]

کفارِ مکہ کی روک ٹوک:

جب اُن بد بختوں کو مسلمانوں کی ہجرت کا عِلم ہوا تو اُنھوں نے روک ٹوک شروع کی اور طاقت کے بَل پر اُنھیں روکنے لگے ۔ چناں چہ اُنھوں نے کئی صحابہ وصحابیات کو مشقِ ستم بھی بنایا۔ جب حضرت صہیبِ رومی کو ہجرت کرتے دیکھا تو روک کر کہنے لگے:

جب تو یہاں آیا تھا تو نہایت مفلس و کنگال تھا، اب جب کہ تو نے یہاں خوب کمائی کر لی ہے تو اپنی دولت لے کر یہاں سے بھاگنا چاہتا ہے ۔ بخدا ہم تجھے یہاں سے جانے نہیں دیں گے ۔ حضرت صہیب نے کہا:

اگر میں اپنی دولت تمھارے حوالے کر دوں تو کیا تم ہمیں جانے دو گے؟

انھوں نے کہا: ہاں ۔

حضرت صہیب نے اپنا سارا خزانہ اُن کے حوالے کیا اور تنِ تنہا خالی ہاتھ مدینۂ پاک

---

[1] [شرح الامام الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ ، ج:۱، ص:۱۷۳۔السیرۃ النبویۃ للامام ابن ہشام، ج:۲، ص:۲۹۶-۲۹۷]

[2] [ملخصاً از مدارج النبوۃ مترجم، ج:۲، ص:۸۲]

تشریف لے آئے۔

اِسی طرح دوسرے مسلمانوں نے بھی ہجرت کے موقع پر بڑی بڑی قربانیاں پیش کیں۔[۱]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو شہید کرنے کی سازش:

جب مکۂ مکرمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ صرف چند ہی مسلمان رہ گئے تو کافروں نے اسلام کو مٹانے کے لیے نہایت **خبیث منصوبہ تیار کیا**۔ مکہ کے تمام سردار **''دارالندوہ''** میں جمع ہوئے؛ تاکہ سیدنا ونبینا **محمد** صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف کوئی فیصلہ کرسکیں۔ اُس میٹنگ میں مردود شیطان بھی شیخِ نجد کے بھیس میں شریک ہوا۔ قریش کے بڑے بڑے جاہل سرداروں نے مختلف قسم کے مشورے دیے، مگر شیطانِ لعین نے سب کی رائے رد کردی۔ آخر میں سب سے بڑے جاہل ''ابوجہل'' نے یہ خبیث مشورہ دیا:

عرب کے ہر قبیلے سے ایک جواں مرد کو لیا جائے اور سب مل کر '' محمد'' پر یکبارگی حملہ کر دیں۔ اِس طرح ہمیں اُن سے چھٹکارا مل جائے گا اور قاتلوں سے کوئی قصاص بھی نہیں لے سکے گا۔

یہ تجویز سن کر ابلیسِ لعین خوشی سے اچھل پڑا اور بولا: رائے تو بس یہی ہے۔ یہ مشورہ تمام کافروں نے منظور کرلیا اور اِسی پر مجلسِ شوریٰ برخواست ہوگئی۔[۲]

اللہ ربُّ العزت نے قرآنِ کریم کی مندرجہ ذیل آیت میں اِسی واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۝﴾ ترجمہ: اور اے محبوب! یاد کیجیے! جس وقت کفار آپ کے بارے میں مکر کر رہے تھے کہ آپ کو قید کریں یا قتل کریں یا شہر بدر کر دیں۔ یہ لوگ مکر کر رہے تھے

---

۱ [البدایۃ والنہایۃ، ج:۳، ص:۱۷۲-۱۷۳]

۲ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص:۱۲۷-۱۲۸- ومدارج النبوۃ مترجم، ج:۲، ص:۸۲-۸۳]

اور اللہ خفیہ تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ کی پوشیدہ تدبیر سب سے بہتر ہے۔[1]

کافروں نے اپنے ناپاک منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکان کا محاصرہ کرلیا کہ جیسے ہی آپ باہر تشریف لائیں گے، وہ آپ پر یکبارگی حملہ کر دیں گے۔ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن کی چال سے آگاہ فرمایا۔ چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرتِ علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے فرمایا:

- میرے بستر پر لیٹ کر آرام سے سو جاؤ، یہ کچھ امانتیں ہیں، صبح اُٹھ کر اِنھیں ادا کرنا اور میرے پاس آ جانا۔ کچھ فکر نہ کرنا! یہ کفار تمھارا ایک بال بھی بیکا نہ کر پائیں گے۔

حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر لٹانے کے بعد آقاے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورۂ یٰسٓ شریف کی تلاوت کرتے ہوئے باہر تشریف لائے اور کافروں کی جانب ایک مٹھی خاک پھینکی جس سے سب کے سب اندھے ہو گئے۔ جب اُنھیں ہوش آیا تو دیکھا کہ سب کے سروں پر خاک پڑی ہے اور گھر میں محمد [صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] کی بجاے، حضرت علی ہیں۔[2]

حضرتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیدہ:

اِس سخت ترین موقع پر، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بسترِ اقدس پر لیٹتے وقت، **حضرت علی رضی اللہ عنہ بالکل خوف زدہ نہ ہوئے**، حالاں کہ خطرہ بڑا سخت تھا، حضرتِ علی کو معلوم تھا کہ دشمن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کا پختہ ارادہ کر چکے ہیں، مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِس فرمان سے کہ

- تم قریش کی ساری امانتیں ادا کر کے مدینہ چلے آنا۔

اُنھیں کامل یقین ہو گیا تھا کہ میں زندہ بھی رہوں گا اور مدینہ بھی پہنچوں گا۔ اِس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بسترِ مبارک جو بظاہر کانٹوں کا بچھونا تھا، مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے پھولوں کی

---

۱ [سورۂ انفال، آیت نمبر: ۳۰]

۲ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص: ۱۳۰-۱۳۱]

سیج بن گیا اور حضرتِ مولائے کائنات رضی اللہ عنہ صبح تک بڑے آرام سے میٹھی نیند سوتے رہے۔ حضرتِ علی رضی اللہ عنہ اپنے اِس کارنامے کو فخریہ بیان کیا کرتے تھے۔[1]

حضور رحمتِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت:

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے نکل کر مقامِ ''حَزوَرہ'' کے پاس تشریف لائے اور خانۂ کعبہ کی طرف رُخ کر کے بڑی حسرت کے ساتھ فرمایا:

❁ اے شہرِ مکہ! تو مجھ کو سب سے پیارا ہے۔ اگر میری قوم مجھے یہاں سے جانے پر مجبور نہ کرتی تو میں تیرے سوا کہیں اور سکونت پزیر نہ ہوتا۔

اُسی جگہ حضرتِ سیدنا صدیقِ اکبر بھی آ گئے۔ اُنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے کاندھوں پر اُٹھایا اور کانٹے دار جھاڑیوں اور نوک دار پتھروں والی پہاڑیوں کو روندتے ہوئے اُسی رات ''غارِ ثور'' کے دہانے پر پہنچ گئے۔[2]

صدیقِ اکبر کی بے مثال قربانی:

اُس وقت سیدنا صدیقِ اکبر نے وہ قربانی پیش کی کہ تاریخِ انسانی اُس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

❁ یارسول اللہ! آپ یہیں ٹھہریں! پہلے مَیں اندر جا کر صفائی کر دیتا ہوں۔ اُس کے بعد آپ تشریف لایئے گا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اندر تشریف لے گئے۔ صفائی کی، اپنے جسم کے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر اُس کے سوراخ بند کیے۔ ایک سوراخ باقی رہ گیا۔ اُسے اپنی ایڑی سے بند کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا:

❁ آقا! اندر تشریف لائیں! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اندر تشریف لے گئے اور یارِ غار کی گود میں اپنا سرِ

---

1 [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص: ۱۳۱۔ وضیاء النبی، ج: ۳، ص: ۸۰]

2 [ملخصا از سیرتِ مصطفیٰ، ص: ۱۳۲۔ ضیاء النبی، ج: ۳، ص: ۶۱]

اقدس رکھ کر سو گئے۔

اُسی سوراخ میں رہنے والے ایک نہایت زہریلے سانپ نے بار بار حضرت ابو بکر کی ایڑی کو ڈسا؛ مگر آپ نے اِس خوف سے ایڑی نہ ہٹائی کہ کہیں آقاے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیند میں خلل نہ واقع ہو جائے۔ مگر درد کی شدت سے آنکھوں سے آنسو نکل کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخسار پر نثار ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے، اپنے یارِ غار کو روتا دیکھ کر بے قرار ہو گئے اور پوچھا:

ابو بکر! کیا ہوا؟ انھوں نے واقعہ بیان کیا۔ حضور دافعِ کرب و بلا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا لعابِ دہن لگا کر فوراً شفا عطا فرمائی۔[1] سبحان اللہ۔

تین راتوں تک دونوں حضرات اُس غار میں رونق افروز رہے۔ حضرت ابو بکر کے فرزند حضرت عبداللہ رات کو غار کے منہ پر سوتے اور دن میں مکہ آ کر قریش کی تدبیریں معلوم کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کر دیتے اور حضرت ابو بکر کے غلام حضرت عامر رات میں بکریاں لے کر غار کے پاس آ جاتے اور دونوں عالم کے تاج دار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے یارِ غار کے ساتھ اُن کا دودھ نوش فرماتے۔[2]

کفارِ مکہ کی سرگرمیاں:

کفارِ مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں مکہ کے اطراف کا چپہ چپہ چھان مارا، یہاں تک کہ تلاش کرتے کرتے ''غارِ ثور'' کے دہانے تک پہنچ گئے۔ انھیں دیکھ حضرت صدیقِ اکبر گھبرائے اور عرض گزار ہوئے:

❁ یا رسول اللہ! اگر کافروں نے اپنے قدموں کی طرف نظر ڈالی تو ہمیں دیکھ لیں گے۔
یہ سن کر آقاے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جاں نثار کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

---

۱ [ملخصاً از شرح الامام الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ، ج:۱، ص:۳۳۹-۳۴۰۔ وضیاء النبی، ج:۳، ص:۶۳-۶۴]

۲ [ملخصاً از ضیاء النبی، ج:۳، ص:۸۱]

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ ترجمہ: گھبراؤ نہیں ، بے شک اللہ کی نصرت وحمایت ہمارے ساتھ ہے۔[1]

یہ سن کر سیدنا صدیقِ اکبر کو اطمینانِ قلبی حاصل ہو گیا۔

اِس قدر قریب پہنچنے کے باوجود کفارِ مکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھ نہ سکے؛ کیوں کہ اُس وقت اللہ رب العزت نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حفاظت کا زبردست انتظام فرما دیا تھا۔ وہ انتظام یہ تھا:

اُس کے حکم سے ایک مکڑی نے غار کے منہ پر جالا تن دیا تھا اور ایک کبوتری نے کنارے پر انڈے دے دیے تھے۔ یہ دیکھ کر کفارِ مکہ نے کہا کہ اگر اندر کوئی انسان موجود ہوتا تو نہ یہاں مکڑی کا جالا ہوتا اور نہ ہی یہاں کبوتری انڈے دیتی۔ بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چوتھے روز ایک ربیع الاول دو شنبہ کے دن غار سے باہر تشریف لائے اور اپنی ہجرت گاہ ''مدینۂ منورہ'' کی جانب متوجہ ہوئے۔[2]

سو اونٹوں کا انعام:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو گرفتار کرنے کے لیے کفارِ مکہ نے یہ اعلان کیا تھا کہ جو شخص محمد [صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم] کو پکڑ کر لائے گا اُسے **۱۰۰/ اونٹوں کا انعام دیا جائے گا**۔ یہ گراں قدر انعام سن کر بہت سے لالچی قسم کے لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تلاش شروع کر دی۔ یہاں تک کہ مشہور شہسوار ''**سراقہ بن مالک**'' پیچھا کرتے ہوئے بالکل قریب پہنچ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نظر فرمائی تو ٹھوکر کھا کر گھوڑے سے گر پڑا، مگر انعام کے لالچ میں دوبارہ کوشش کی، اِس بار مکۂ مکرمہ کی پتھریلی زمین میں اُس کے **گھوڑے کے پاؤں گھٹنوں تک دھنس گئے** یہ معجزہ دیکھ کر سراقہ خوف سے کانپنے لگا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے امان کی بھیک مانگنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے **اُسے معاف فرما کر اُس کے لیے امن کا پروانہ لکھوا**

---

۱ [سورۂ توبہ، آیت نمبر: ۴۰]

۲ [ملخصاً از ضیاء النبی، ج: ۳، ص: ۶۶]

دیا۔[۱]

حضرت امِّ معبد کی خوش قسمت بکری:

سفرِ ہجرت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر مقامِ قُدید میں ''ام معبد عاتکہ بنت خالد'' نامی ایک خاتون کے پاس سے ہوا۔ یہ عورت انتہائی غریب اور نحیف و ناتواں ہونے کے باوجود مہمانوں کی ضیافت میں بڑی مشہور تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس سے پوچھا:

- کھانے کا کوئی سامان ہے؟ اُس نے کہا:
- اگر کچھ ہوتا تو میں پہلے ہی پیش کر دیتی۔

خیمے کے کونے میں ایک انتہائی لاغر بکری کھڑی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت لے کر اُس کے سوکھے تھنوں پر ہاتھ لگایا۔ دستِ مبارک لگتے ہی اُس کا تھن دودھ سے لبریز ہو گیا اور اِتنا دودھ نکلا کہ سب لوگ سیراب ہو گئے۔ یہ معجزہ دیکھ کر اُمِّ معبد اور اُس کے شوہر دونوں مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ اور یہ بکری مسلسل اٹھارہ سال تک دودھ دیتی رہی۔[۲] **سبحان اللہ!**

حضرتِ بُریدہ اَسلمی کا جھنڈا:

جب آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینۂ منورہ کے قریب پہنچ گئے تو ''بُریدہ اسلمی'' ۱۰۰/ اونٹوں کے لالچ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گرفتار کرنے کے لیے قبیلۂ بنی سہم کے ۷۰/ سواروں کے ساتھ آیا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جانتا نہ تھا۔ اچانک آپ کا سامنا ہو گیا۔ سیدِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بے مثل حسن و جمال دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

- پوچھا: آپ کون ہیں؟ آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
- میں اللہ کا رسول محمد بن عبد اللہ ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریں مقالی اور آپ کے جمالِ

---

۱ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص:۱۳۵۔ ومدارج النبوۃ مترجم، ج:۲، ص:۹۱۔ والسیرۃ النبویۃ للامام ابن ہشام، ج:۲، ص:۳۵۰]

۲ [ملخصاً من الروض الانف مع السیرۃ النبویۃ، ج:۲، ص:۳۵۳]

نبوت نے اُن کے تاریک دلوں کو ایسا روشن کیا کہ فوراً کلمۂ شہادت پڑھ کر سب کے سب مسلمان ہو گئے۔

۞ حضرت بریدہ اسلمی نے ایمان لانے کے بعد اپنا عمامہ اتار کر نیزہ پر باندھ لیا اور عَلَم بردار بن کر مدینۂ منورہ تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے آگے آگے چلتے رہے۔[1]

اہلِ مدینہ کی بے قراری:

چوں کہ مدینۂ منورہ میں ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی "آمد" کا چرچہ ہو چکا تھا، اِس لیے وہ لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار کے لیے بے قرار تھے۔ روزانہ شہر سے باہر آکر صبح سے دوپہر تک انتظار کرتے۔ دھوپ تیز ہو جانے کے بعد افسوس کرتے ہوئے واپس ہوتے۔ ایک دن اچانک ایک یہودی نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر بہ آوازِ بلند یہ اعلان کیا:

۞ اے مدینہ والو! تم لوگ جس کاروانِ رحمت کا انتظار کر رہے تھے وہ آ گیا ہے۔

یہ مژدۂ جاں فزا سن کر تمام انصار بدن پر ہتھیار سجا کر، وجد و شادمانی سے لبریز ہو کر، نعرۂ تکبیر کی صدائیں بلند کرتے ہوئے اپنے گھروں سے نکل پڑے۔ اور کونین کے دولھا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ١٢ / ربیع الاول شریف کو مدینۂ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر، مقامِ قبا میں، قبیلۂ عمرو بن عوف کے خاندان میں، حضرت کلثوم بن ہدم کے مکان پر رونق افروز ہوئے۔[2] سبحان اللہ!

مسجدِ قبا کی تعمیر:

"قُبَا" پہنچ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔ یہی مسجد آج "مَسْجِدِ قُبَا" کے نام سے مشہور ہے۔ اِسے یہ شرف حاصل ہے کہ صحابۂ کرام کے ساتھ خود آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اِس کی تعمیر میں حصہ لیا اور پروردگارِ عالَم نے قرآنِ مقدس میں اِس کی شانِ اقدس

---

[1] [ملخصاً از مدارج النبوۃ مترجم، ج:٢، ص:٩٢]

[2] [ملخصاً از سیرت مصطفیٰ، ص:١٣٨-١٣٩۔ والسیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ج:٢، ص:٣٥٩]

بیان فرمائی۔[1]

مدینۂ منورہ کی جانب روانگی اور مسجدِ جمعہ کی تعمیر:

چودہ دن یا بائیس روز ''قُبَا'' میں قیام فرما کر، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''یَثْرِبْ'' کی پیاسی سر زمین کو سیراب کرنے اور اُسے عظمت و رفعت کی چوٹیوں پر پہنچانے کے لیے جانبِ ''مدینہ'' روانہ ہوئے۔ راستے میں قبیلۂ بنی سالم میں آپ نے پہلا جمعہ ادا فرمایا۔ جس مکان پر جمعہ ادا فرمایا وہاں ایک مسجد تعمیر کی گئی، یہ مسجد آج تک ''مَسْجِدُ الْجُمُعَۃ'' کے نام سے مشہور ہے۔[2]

جب اہلِ مدینہ کو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی خبر ملی تو شمعِ رسالت کے پروانے ہر چہار جانب سے، استقبال کے لیے دوڑ پڑے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا جان کے ننہالی رشتے دار ''بَنُو النَّجَّار'' ہتھیار سجا کر، صفیں بنا کر مستانہ وار چل رہے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کو خیر و برکت کی دعائیں دیتے ہوئے چل رہے تھے۔ جب ''طَیْبَہ'' قریب آ گیا تو اُن کے جوش و خروش کا عالَم دیکھنے کے لائق تھا۔ پردہ نشیں خواتین مکانوں کی چھتوں پر چڑھ گئیں اور بچیاں جذباتِ شوق میں ترانے گانے لگیں۔[3]

اُن بچیوں کے وَجد آفریں ''تَرانے'' کے چند اشعار ترجمے کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں!

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاع

ہم پر چاند طلوع ہو گیا وداع کی گھاٹیوں سے

وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا مَا دَعَا لِلّٰہِ دَاع

ہم پر خدا کا شکر واجب ہے جب تک دعا کرنے والا اللہ سے دعا کرتا رہے

---

[1] [ملخصاً از ضیاء النبی، ج:۳،ص:۱۰۷]

[2] [ملخصاً از ضیاء النبی، ج:۳،ص:۱۱۱]

[3] [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص:۱۴۲]

أَيُّهَا الْمَبْعُوثُ فِيْنَا جِئْتَ بِالْأَمْرِ الْمُطَاعِ
ہم میں مبعوث ہونے والی ذاتِ پاک! آپ قابلِ اِطاعت دین لائے ہیں
أَنْتَ شَرَّفْتَ الْمَدِيْنَةَ مَرْحَبًا يَا خَيْرَ دَاعِ
آپ نے مدینہ کو مشرف فرما دیا سب سے بہتر داعی! آپ کا خیر مقدم ہے

حضرتِ ابوایوب انصاری کی ضیافت:

مدینۂ منورہ میں سب سے پہلے جس **''خوش نصیب''** کو ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی **''ضیافت''** کا شرف ملا، وہ حضرت سیدنا **''ابوایوب انصاری''** رضی اللہ عنہ ہیں۔

اِس کا واقعہ کچھ یوں بیان کیا جاتا ہے:

- جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد ہوگئی تو انصار جوشِ مسرت میں عرض کرنے لگے:

یا رسول اللہ! ہمارے گھروں کو شرفِ نزول بخشیں! مگر آقاے موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے یہی فرمایا کہ جس جگہ خدا کو منظور ہوگا یہ اونٹنی وہیں بیٹھ جائے گی۔ جس جگہ مسجدِ نبوی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی اُسی جگہ بیٹھ گئی۔ وہیں حضرتِ ابوایوب انصاری خالد بن زید رضی اللہ عنہ کا مکان تھا۔ اِس لیے سب سے پہلے اُنھی کو تاج دارِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میزبانی کا شرف مِلا۔[1]

میزبانِ رسول، حضرت **''ابوایوب انصاری''** رضی اللہ عنہ نے بے مثال ادب واحترام کے ساتھ کونین کے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میزبانی کی۔ آپ دونوں وقت حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کھانا بھیجتے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بچا ہوا کھانا دونوں میاں بیوی تبرُّک سمجھ کر کھاتے۔ کھانے میں جہاں آقاے دوعالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس انگلیوں کا نشان پڑا ہوتا، حضرت ابوایوب تبرُّکاً اُسی جگہ سے لقمہ اٹھاتے اور بے پناہ عقیدت واحترام اور جاں نثاری کا مظاہرہ فرماتے۔ **کامل سات مہینے تک حضرتِ سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِسی شان کے ساتھ رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضیافت کی**

---

[1] [ملخصاً من السیرۃ النبویۃ للامام ابن ہشام، ج:۲، ص:۳۶۵-۳۶۶]

سعادت حاصل کی۔[1]

حضور ﷺ کے اہل وعیال مدینے میں:

حضرتِ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان میں قیام کے دوران نبیِّ اکرم ﷺ نے اپنے اہلِ خانہ کو لانے کے لیے اپنے غلام ''حضرت زید بن حارثہ'' اور ''حضرتِ ابو رافع'' رضی اللہ عنہما کو مکۂ مکرمہ روانہ کیا۔ یہ دونوں حضرات مکہ جا کر حضور ﷺ کے اہل وعیال میں سے حضرت سیدتنا فاطمہ، حضرت سیدتنا اُم کلثوم، امُّ المومنین حضرت سَودہ، حضرت اُمِّ اَیمن اور حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہن اجمعین کو مدینۂ منورہ لے آئے۔

حضرت سیدتنا زینب رضی اللہ عنہا نہ آسکیں؛ کیوں کہ اُن کے شوہر حضرتِ ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے انھیں مکہ ہی میں روک لیا تھا اور حضرتِ رُقیہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر حضرتِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ''حَبْشَہ'' میں تھیں۔[2]

مسجدِ نبوی شریف کی تعمیر:

مدینۂ منورہ میں اب تک کوئی ایسی جگہ مقرر نہیں ہو سکی تھی جہاں مسلمان ایک ساتھ نماز ادا کر سکیں۔ اِس لیے ایک مسجد کی سخت ضرورت تھی۔ حضور ﷺ کی قیام گاہ کے قریب ہی ''بَنُوْ نَجَّار'' کا ایک باغ تھا جس کے مالک دو یتیم بچے تھے۔ آقاے دو عالَم ﷺ نے قیمت دے کر اُسے خریدا، اُس کے پیڑ کٹوائے، مشرکوں کی قبریں اُکھڑوائیں، زمین ہموار کرائی اور پھر اپنے دستِ اقدس سے مسجد کی بنیاد رکھی۔ اِس مسجد کی تعمیر میں صحابۂ کرام کے ساتھ خود حضور ﷺ نے بھی حصہ لیا، اینٹیں اُٹھائیں، پتھر توڑے اور اپنے غلاموں کو جوش دلانے کے لیے بار بار یہ شعر پڑھتے رہے۔

اَللّٰھُمَّ لَا أَجْرَ اِلَّا أَجْرُ الْآخِرَۃْ   فَاغْفِرِ الْأَنْصَارَ وَ الْمُھَاجِرَۃْ

---

[1] [ملخصاً از ضیاء النبی، ج:۳، ص:۱۲۵-۱۲۶۔ والسیرۃ النبویۃ للامام ابن ہشام، ج:۲، ص:۳۷۲]

[2] [ملخصاً از مدارج النبوۃ مترجم، ج:۲، ص:۹۹]

اے اللہ! بھلائی تو صرف آخرت کی ہے لہذا تو انصار و مہاجرین کو بخش دے

اِسی مسجد کو آج تک ''مَسْجِدِ نَبَوِیْ'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔[1]

یہ مسجد اسلام کی سادگی کی سچی اور صحیح تصویر تھی۔ دنیاوی تکلُّفات سے بالکل پاک تھی۔ اِس کی عمارت ساٹھ گز لمبی اور چوّن گز چوڑی تھی۔ اِس کا قبلہ ''بَیْتُ الْمَقْدِسْ'' کی جانب بنایا گیا تھا ؛مگر جب ''کَعْبَہ مُقَدَّسَہ'' کو قبلہ بنایا گیا تو مسجد کی شمالی جانب ایک نیا دروازہ کھولا گیا۔ مسجد کے ایک کنارے پر ''صُفَّہ'' نامی ایک چبوترہ تھا۔ جن صحابہ کے پاس گھر نہیں تھے، وہ اِسی پر سوتے اور بیٹھتے تھے۔ اُنھی کو ''اصحابِ صفہ'' کہا جاتا تھا۔[2]

اذان کی ابتدا:

مسجدِ نبوی کی تعمیر کے بعد لوگوں کو جماعت کے لیے جمع کرنے کا مسئلہ درپیش ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام سے مشورہ کیا، اُنھوں نے مختلف مشورے دیے جنھیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناپسند فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

ہر نماز کے وقت کسی کو بھیج دیا جائے اور وہ پوری مسلم آبادی میں نماز کا اعلان کرے!

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِس مشورے کو قبول فرمایا اور حضرتِ بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ

وہ نماز کے اوقات میں ''اَلصَّلاۃُ جَامِعَۃٌ'' کہہ کر لوگوں کو پکارا کریں! اِس واقعے کے بعد حضرت عبد اللہ بن زید، حضرت عمر بن خطاب اور دیگر کئی صحابہ کو؛ بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں **''اذان کے کلمات''** سنائے گئے۔ چناں چہ یہ کلمات، حضرتِ بلال کو یاد کرائے گئے اور اُنھیں اسلام کا پہلا مؤذن بننے کا شرف حاصل ہوا۔ اُسی وقت سے ''اذان'' دینے کا یہ شرعی طریقہ رائج ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک رائج رہے گا۔[3]

---

1 [ملخصاً از ضیاء النبی، ج:۳، ص: ۱۴۸ تا ۱۵۴]

2 [ملخصاً از مدارج النبوۃ مترجم، ج:۲، ص:۱۰۱]

3 [ملخصاً از شرح الامام الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ، ج:۱، ص:۳۷۶۔ مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت]

۱ ہجری کے کچھ اہم واقعات:

سن ''ایک ہجری'' میں متعدد واقعات رونما ہوئے، جن میں سے کچھ کا ذکر ہو چکا ہے۔ نہایت اختصار کے ساتھ مزید کچھ واقعات نیچے درج کیے جا رہے ہیں:

- مسجدِ نبوی کی تعمیر کے بعد ''ازواجِ مطہرات کے حجرے'' بنوائے گئے۔ یہ مکانات بھی بہت سادگی کے ساتھ بنائے گئے تھے۔ یہ حجرے ''دس ہاتھ لمبے اور چھے ہاتھ چوڑے'' تھے۔ کچی اینٹوں کی دیواریں تھیں اور کھجور کے پتوں کی چھت تھی۔ اللہ اکبر! یہ تھا کائنات کے سردار محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ مقدس مکان، جس کی آستانہ بوسی اور دربانی حضرتِ جبریلِ امین کے لیے بھی باعثِ افتخار تھی۔

- حضور رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں اپنا سب کچھ مکہ میں چھوڑ کر، مدینہ آنے والے ''مہاجرین'' کی سکونت کا اہتمام کیا گیا۔ اِن کے رہنے کے لیے مسجدِ نبوی کے قرب و جوار میں انتظام کیا گیا۔ ایسے موقع پر انصار صحابہ رضی اللہ عنہم نے بڑی فراخ دلی کے ساتھ اپنے اِن بھائیوں کی مدد کی۔

- اِسی سال اُمُّ المومنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی عمل میں آئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک پیالہ دودھ سے لوگوں کی دعوتِ ولیمہ فرمائی۔

- اِسی سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار و مہاجرین کے درمیان ''عَقْدِ مُوَاخَاتْ'' قائم فرمایا۔ یعنی ہجرت کر کے طیبہ آنے والے مسلمانوں کو مدینۂ منورہ کے باشندوں کا بھائی قرار دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک انصاری اور ایک مہاجر کو بلاتے اور فرماتے:

تم دونوں بھائی بھائی ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد فرماتے ہی یہ رشتۂ اُخوت بالکل حقیقی رشتے کی طرح؛ بلکہ اُس سے بڑھ کر ہو گیا۔ انصار صحابہ نے بھی اِس رشتۂ بھائی چارگی کو خوب نبھایا اور اُنھیں اپنی زمین

وجائدادادورتجارت ومکان میں شریک کیا۔[1]

یہودیوں سے معاہدہ:

''طَیبَہ'' تشریف لانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہودیوں سے معاہدہ فرمایا تھا۔ یہ معاہدہ اِس لئے ہوا؛ تاکہ مسلمان امن وچین کے ساتھ زندگی گزار سکیں اور اُنھیں کُھل کر دینِ اسلام کی دعوت وتبلیغ کا موقع مِل سکے۔اُس ''مُعَاہَدَہ'' کا خلاصہ ذیل میں درج ہے:

- خون بَہا[جان کے بدلے جو مال دیا جاتا ہے]اورفدیہ[قیدی کو چھڑانے کے بدلے جو رقم دی جاتی ہے] کا پرانا طریقہ اب بھی قائم رہے گا۔
- یہودیوں کو مذہبی آزادی حاصل رہے گی۔
- مسلمان اور یہودی آپس میں جنگ نہیں کریں گے۔
- اگر مسلمانوں یا یہودیوں کی کسی سے جنگ ہوگی تو یہ دونوں ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے۔
- اگر''مدینہ'' پر کوئی حملہ کرے گا تو دونوں مِل کر اُس کا مقابلہ کریں گے۔
- مسلمانوں اور یہودیوں میں سے کوئی بھی ''قریش اور اُن کے مددگاروں'' کو پناہ نہیں دے گا۔
- اگر ایک فریق کسی سے صلح کرے گا تو دوسرا فریق بھی اُس صلح میں شامل ہوگا۔[2]

مدینۂ طیبہ کے لیے دعائے مصطفیٰ:

چوں کہ ''مدینۂ منورہ'' میں کثرت کے ساتھ بیماریاں پھیلتی رہتی تھیں، اِس لیے ''مہاجرین'' بیمار ہونے لگے اور بہت سے صحابۂ کرام شدید بخار میں مبتلا ہوگئے۔اُس وقت کائنات کے طبیب،

---

[1] [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ،ص:۱۴۷ تا ۱۵۲]

[2] [ملخصاً از ضیاء النبی، ج:۳،ص:۱۹۲ تا ۱۹۴]

اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینۂ منورہ کے لیے یہ دعا فرمائی:

اے اللہ! ہمارے دلوں میں ''مدینہ'' کی ایسی محبت ڈال دے، جیسی ''مکہ'' کی محبت ہے بلکہ اُس سے بھی زیادہ اور مدینہ کی آب و ہوا کو صحت بخش بنا دے۔ اے اللہ! ''مدینہ'' کے **ناپ اور تول کے برتنوں** میں خیر و برکت عطا فرما اور اِس کے بخار کو ''جُحفَہ'' کی جانب منتقل فرما دے۔[1]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا مقبول ہوئی اور اللہ رب العزت نے اُس کی آب و ہوا کو نہایت خوش گوار اور صحت بخش بنا دیا کہ اُس کی پر کیف فضا آج بھی بیماروں کو ''مژدۂ شفا'' سناتی ہے۔

سبحان اللہ!

تین جاں نثاروں کی وفات:

سن ایک ہجری میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تین ایسے جاں نثاروں نے وفات پائی، جو درحقیقت اسلام کے سچے وفادار اور بڑے مددگار تھے۔ اُن کے نام یہ ہیں:

[۱] حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

یہ ''مدینۂ منورہ'' کے رہنے والے ایسے خوش نصیب **انصاری صحابی** ہیں کہ ہجرت کے بعد ''مقامِ قُبا'' میں ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے اِنھی کے مکان کو شرفِ نزول بخشا تھا بڑے بڑے مہاجرینِ صحابہ اِنھی کے مکان میں ٹھہرے تھے اور اِنھوں نے تاجدارِ عرب و عجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے جاں نثاروں کی مہمان نوازی کا شرف حاصل کیا تھا۔

[۲] حضرتِ برا ابن معرور انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اِنھیں ''بیعتِ عَقَبَۂ ثانیہ'' میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ اقدس پر سب سے پہلے بیعت کرنے کا شرف حاصل ہوا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِنھیں ''قبیلۂ خزرج'' کے نقیبوں میں شامل فرمایا تھا۔

[۳] حضرتِ اَسعد بن زُرَارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

---

[1] [ملخصاً از مدارج النبوۃ مترجم، ج:۲، ص:۱۰۳]

یہ ایسے خوش نصیب ہیں کہ اِنھیں ''**بیعتِ عقبہ اولیٰ**'' اور ''**بیعتِ عقبہ ثانیہ**'' دونوں میں شریک ہونے کی سعادت ملی اور انھوں نے سب سے پہلے ''**مدینۂ منورہ**'' میں اسلام کا ڈنکا بجایا اور ہر گھر میں اسلام کا پیغام پہنچایا۔[1]

مدینۂ طیبہ میں سب سے پہلے پیدا ہونے والے صحابی:

ہجرت کے بعد مہاجرین کے یہاں سب سے پہلے ''**حضرت عبداللہ بن زبیر**'' رضی اللہ تعالیٰ عنہما پیدا ہوئے۔ یہ، حضرت سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نواسے ہیں۔ پیدا ہوتے ہی اِن کی والدۂ محترمہ حضرتِ اَسما بنت ابوبکر، اِنھیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں لے گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِنھیں اپنی گود میں بٹھا کر، کھجور چبا کر اِن کے منہ میں ڈالی۔ سبحان اللہ! سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ''**لعابِ دہن**'' اِن کے جسم میں پہنچا۔

اِن کی پیدائش سے مسلمانوں کو بے انتہا خوشی حاصل ہوئی؛ کیوں کہ مدینے کے یہودی کہا کرتے تھے کہ ہم نے مہاجرین پر ایسا جادو کر دیا ہے کہ اُن کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہی نہیں ہوگا حضرتِ عبداللہ بن زبیر کی پیدائش سے اُن کا دعویٰ باطل ومردود ہوگیا۔[2]

قبلہ کی تبدیلی کا حکم:

مدینۂ منورہ تشریف لانے کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقریباً سترہ مہینے تک ''**بیت المقدس**'' کی جانب چہرہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ مگر آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دلی تمنا یہی تھی کہ ''**خانۂ کعبہ**'' مسلمانوں کا ''**قبلہ**'' بنا دیا جائے! اِس امید میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا چہرۂ اقدس بار بار آسمان کی جانب اُٹھایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی اِس قلبی آرزو کو پورا کرنے کے لیے قرآنِ مقدس کی یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی!

---

[1] [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص:۱۵۵۔ ومدارج النبوۃ مترجم، ج:۲، ص:۱۰۶-۱۰۷]

[2] [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص:۱۵۶]

﴿ قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَ جْهِكَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾[1]۔ ترجمہ: ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ بار بار آسمان کی طرف اپنا چہرہ کر رہے ہیں۔ تو ہم ضرور آپ کو اُس قبلہ کی جانب پھیر دیں گے جس سے آپ راضی ہیں، پس ابھی آپ اپنا چہرہ مسجدِ حرام کی طرف کر لیجیے!!

اُسی وقت سے مسلمانوں کا قبلہ ''خانۂ کعبہ'' ہو گیا۔ یہ واقعہ سن دو ہجری میں پیش آیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''قبیلۂ بنوسَلَمہ'' کی مسجد میں ''ظہر'' کی نماز ادا فرما رہے تھے، کہ یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی اور عین نماز کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا رُخِ انور بیت المقدس سے پھیر کر ''کعبۂ مشرَّفہ'' کی جانب کر لیا اور تمام مسلمانوں نے بھی اپنا چہرہ مسجدِ حرام کی طرف پھیر لیا۔ جس مسجد میں یہ واقعہ پیش آیا اُسے ''مَسْجِدُ الْقِبْلَتَیْن'' کہا جاتا ہے۔ یہ عظیم الشان مسجد مدینۂ منورہ سے تقریباً دو کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے اور عوام وخواص سبھی اُس کی زیارت کرنے کو باعثِ سعادت سمجھتے ہیں۔[2]

جہاد کا آغاز:

سن دو ہجری میں اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو ''اپنے دشمنوں'' سے جنگ کرنے کی اجازت دی۔ اِس سے پہلے مسلمانوں کو حکم تھا کہ وہ لوگوں کو پیار ومحبت کے ساتھ اسلام کی دعوت دیں، کافروں کے ظلم وستم پر صبر کریں اور اُن کی زیادتیوں کا جواب نہ دیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے مکۂ مکرمہ میں ظالموں کے ہر ظلم پر صبر وتحمل کا مظاہرہ کیا؛ لیکن ہجرت کے بعد جب سارا عرب مسلمانوں کے خلاف ہو گیا، بالخصوص کفارِ مکہ نے مدینۂ منورہ میں بھی مسلمانوں کو چین سے رہنے نہ دیا؛ بلکہ توحید کے متوالوں کو فنا کے گھاٹ اتارنے کا پختہ ارادہ کر لیا، تو اللہ رب العزت نے مسلمانوں

---

۱ [سورۂ بقرہ۔ آیت نمبر: ۱۴۴]

۲ [ملخصاً از مدارج النبوۃ مترجم، ج:۲، ص:۱۰۷-۱۰۸]

کواُن لوگوں سے جنگ کرنے کی اجازت دے دی جواُن سے جنگ کی ابتدا کریں۔[1]

دین کے دشمنوں کی جانب سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ''اسلام تلوار کے زور سے پھیلا یا گیا ہے'' حالاں کہ یہ، **محض الزام اور چمکتا دمکتا سفید جھوٹ ہے**۔ اسلامی اِتہاس پر نگاہ رکھنے والا کوئی بھی شخص ایسی باتیں نہیں کرسکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہجرت کے بعد مسلمانوں نے، اپنے دشمنوں کے ساتھ جتنی بھی لڑائیاں لڑیں وہ سب اپنی بقا اور سلامتی کے لیے لڑیں۔ یہ تمام جنگیں خود دشمنوں کی جانب سے مسلمانوں کے سر تھوپی گئی تھیں۔ مسلمانوں نے تو بوجہِ مجبوری تلوار اُٹھائی تھی۔

❁ حقیقت یہ ہے کہ اسلام اپنی **بے نظیر تعلیم اور لاجواب اخلاق** کی تلوار سے پھیلا ہے اور صبحِ قیامت تک یوں ہی پھلتا پھولتا رہے گا۔

کافروں کی ناپاک سازشیں اور مسلمانوں کی تدبیریں:

جب مسلمان ہجرت کر کے **مدینۂ منورہ** میں امن وسکون کے ساتھ، خالقِ حقیقی اللہ عزوجل کی عبادت کرنے لگے اور آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنے یارِ غار کے ساتھ ''طیبہ'' تشریف لے آئے تو کفارِ مکہ کے لیے راستہ صاف ہو چکا تھا، اب چاہیے یہ تھا کہ وہ خود بھی سکون سے رہتے اور مسلمانوں کو بھی اطمینان سے رہنے دیتے؛ **مگر اُن بدبختوں نے اُس وقت بھی اہلِ اسلام کے خلاف خطرناک سازشیں رچیں**۔ اس لیے اب کافروں کی چالوں کو ناکام کرنا اور اُن کی سازشوں کو بے اثر کرنا انتہائی ضروری ہو چکا تھا، چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جاں نثار صحابہ کے تحفظ اور دینِ اسلام کی بقا کے لیے دو تدبیریں اختیار فرمائیں:

پہلی تدبیر: کفارِ مکہ کی ملکِ شام سے ہونے والی تجارت میں رکاوٹ ڈالی جائے؛ تاکہ وہ مدینۂ منورہ پر حملہ کرنے کا خیال چھوڑ کر مسلمانوں سے صلح کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

دوسری تدبیر: مدینۂ منورہ کے قُرب و جوار میں رہنے والے قبیلوں سے **امن و امان کا**

---

[1] [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص:۱۵۹]

معاہَدہ کیا جائے ؛ تاکہ مکۂ مکرمہ کے کافر مدینۂ منورہ پر حملہ آوَر ہونے کا تصور بھی نہ کرسکیں ۔

اِنھی دونوں تدبیروں کے پیشِ نظر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابۂ کرام کو مدینہ کے اطراف میں بھیجنا شروع کیا؛ بلکہ بعض دفع خود بھی تشریف لے گئے۔ اِسی سلسلے میں کفارِ مکہ اور اُن کے حلیفوں سے مسلمانوں کا ٹکراؤ شروع ہوا، جس کے نتیجے میں چھوٹی بڑی کئی لڑائیاں ہوئیں۔ اُنھی لڑائیوں کو اسلامی تاریخ میں غَزوات وسَرایا کے نام سے بیان کیا جاتا ہے۔[1]

غزوہ اور سریہ کے درمیان فرق:

جس جنگی لشکر کے ساتھ حضور رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے ہوں اُسے ''غَزْوَہْ'' [اس کی جمع ''غزوات'' آتی ہے] کہتے ہیں اور لشکر کی جن ٹولیوں میں آقائے کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شامل نہیں ہوئے اُنھیں ''سَرِیَّہ'' [اس کی جمع ''سرایا'' آتی ہے] کہا جاتا ہے۔

- غزوات کی تعداد میں اختلاف ہے۔ سیرت کی کتابوں میں **''انیس، اکیس، چوبیس، پچیس، چھبیس اور ستائیس''** کے اقوال ملتے ہیں۔[2]
- سرایا کی تعداد میں بھی اختلاف ہے، بعض کے نزدیک اُن کی تعداد **''سینتالیس''** اور بعض کے نزدیک **''چھپن''** ہے۔[3]

کچھ اہم ''غزوات وسرایا'' کے نام یہ ہیں۔

اہم سرایا : سریۂ حمزہ۔ سریۂ عبیدہ بن حارث۔ سریۂ سعد بن ابو وقاص۔ سریۂ عبداللہ بن جحش۔

اہم غزوات : غزوۂ بدر۔ غزوۂ اُحُد۔ غزوۂ خندق۔ غزوۂ خیبر۔ غزوۂ حنین۔ غزوۂ فتحِ مکہ، غزوۂ تبوک وغیرہا۔

---

۱ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص: ۱۶۲-۱۶۳]

۲ [ملخصاً از شرح الامام الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ، ج:۱، ص: ۳۸۸۔ مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت]

۳ [ملخصاً از مدارج النبوۃ، مترجم، ج:۲، ص: ۱۱۲]

غزوۂ بدر:

''بدر'' مدینۂ منورہ سے ۸۰ رمیل کے فاصلے پر ایک گاؤں کا نام ہے۔ دراصل یہاں ایک کنواں تھا جس کے مالک کا نام ''بدر'' تھا۔ اُسی کے نام پر اس جگہ کا نام ''بدر'' رکھا گیا۔ اِسی مقام پر مسلمانوں اور قریش کے کافروں کے درمیان سخت خون ریز جنگ ہوئی، جس میں کائنات کے آقا حضرتِ محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنفسِ نفیس شرکت فرمائی۔ اِس جنگ میں مسلمانوں کو عظیم الشان فتح ملی، جس کے سبب اسلام کی عزت کا پرچم ایسا بلند ہوا کہ کافروں کی عظمت وشوکت بالکل خاک میں مل گئی۔

تاریخِ اسلام نے اِسی معرکہ کو ''جنگِ بدر'' یا ''غزوۂ بدر'' کے نام سے محفوظ کیا ہے۔[1]

جنگِ بدر کے اسباب:

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جاں نثار غلاموں کے ساتھ مدینۂ منورہ تشریف لے آئے تو اسلام تیزی کے ساتھ ترقی کرنے لگا اور اس کی کرنیں دور دور تک پہنچنے لگیں۔ اِس سے کافروں کو سخت تکلیف ہوئی اور وہ اسلام کو مٹانے کے لیے طرح طرح کے منصوبے تیار کرنے لگے۔ دنیا کی واحد اسلامی ریاست کے خاتمے کے لیے قریش نے جنگ کی تیاری شروع کی اور یہ فیصلہ کیا کہ **اِس سال ملکِ شام جانے والے تجارتی قافلے سے حاصل ہونے والی تمام دولت کو اسلام کے خاتمے کے لیے خرچ کیا جائے گا۔**

اِسی عزمِ مُحکَم کے ساتھ انھوں نے ابوسفیان کی قیادت میں ایک بڑا قافلہ ملکِ شام کی جانب روانہ کیا۔ واپسی پر ابوسفیان کو مسلمانوں سے خطرہ محسوس ہوا اور اُس نے کفارِ مکہ تک مسلمانوں کے ممکنہ حملے کی خبر پہنچائی۔ خبر پاتے ہی اہلِ مکہ اپنے قافلے کی حفاظت کے لیے پوری تیاری کے ساتھ نکلے۔ راستے میں معلوم ہوا کہ قافلہ مسلمانوں سے محفوظ ہے؛ مگر وہ طاقت کے نشے میں چور تھے۔ بولے:

---

[1] [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص۱۶۹:]

❁ اب مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر ہی دم لیں گے اور میدانِ بدر میں پہنچ کر خیمہ زن ہو گئے۔

مسلمانوں کا جذبۂ جاں نثاری:

جب آقائے دو عالَم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ نے صحابۂ کرام کو جمع فرما کر اُنھیں صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ اُس وقت حضرت سیدنا صدیقِ اکبر اور حضرتِ سیدنا عمر فاروقِ اعظم کے ساتھ ساتھ **دیگر مہاجرین نے بھی بڑے جوش وخروش کا اظہار کیا؛** مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انصار کے جذبات دیکھنا چاہتے تھے۔ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی منشا سمجھ کر انصار میں سے قبیلۂ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عُبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پکار اُٹھے:

❁ یا رسولَ الله ! ہم پوری جاں نثاری کا ثبوت دیں گے، اگر آپ کا حکم ہوگا تو ہم سمندر میں بھی کود پڑیں گے۔

اِسی طرح انصار کے ایک دوسرے مُعَزَّز سردار حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے بھی جذبۂ فَدَ وِیَّت کا اِظہار کرتے ہوئے کہا:

❁ یا رسولَ اللہ! ہم حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ **"آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑیں"**۔ بلکہ ہم لوگ آپ کے دائیں، بائیں، آگے اور پیچھے سے دشمنوں کا مقابلہ کریں گے۔ انصار کے اِن دونوں سرداروں کے جاں نثارانہ جذبات دیکھ کر آقائے دو عالَم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا رُخِ زیبا خوشی سے چمک اُٹھا۔[1]

میدانِ بدر میں حضور رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آمد:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ٦٦ ر مہاجرین اور ۲۴۰ ر انصار کے ساتھ، ماہِ رمضان ۲ ر ہجری میں میدانِ بدر میں نزول فرما کر ایسی جگہ پڑاؤ ڈالا جہاں نہ کوئی کنواں تھا نہ چشمہ؛ لیکن پھر بعض صحابۂ

---

[1] [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص: ۱۶۹ تا ۱۷۱]

کرام کے مشورے سے دوسری جگہ پڑاؤ ڈال کر پانی کے چشموں پر قبضہ فرمالیا۔ خدا کے کرم سے بارش بھی ہونے لگی جس سے ایک طرف میدانِ بدر کی ریت جم گئی اور مسلمانوں کے لیے چلنا پھرنا آسان ہو گیا تو دوسری طرف کافروں کی زمین پر کیچڑ ہو گئی جس نے اُنھیں سخت پریشانیوں میں مبتلا کر دیا۔

❁ ۱۷ر رمضان کی شبِ جمعہ کو آقائے دو عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح تک خداوندِ عالَم کی بارگاہ میں دعا کرتے رہے۔ صبح نمودار ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام مجاہدین کو نمازِ فجر کے لیے بیدار کیا۔ نماز سے فارغ ہو کر، آیاتِ جہاد کی روشنی میں اُن کے سامنے ایسا ولولہ انگیز خطاب فرمایا کہ **مجاہدینِ اسلام کی رگوں کے خون کا قطرہ قطرہ جوش و خروش کا سمندر بن کر طوفانی موجیں مارنے لگا اور وہ سب جنگ کی تیاریاں کرنے لگا۔**[1]

جنگِ بدر کے نتائج:

جنگِ بدر میں مختلف جنگی آلات سے لبریز، ایک ہزار کفار و مشرکین، ۳۱۳ر بے سر و سامان **مسلمانوں کے روبرو ٹھہر نہ سکے** اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جاں باز صحابہ نے **اُن کی شان و شوکت خاک میں ملا کر رکھ دی۔** انصار و مہاجرین کے جذبۂ جہاد اور اُن کی تمنائے سرفروشی نے دینِ اسلام کو صبحِ قیامت تک کے لیے ایسا اِستحکام بخشا کہ اب ہزاروں طوفان مِل کر بھی اسلام کی شمع کو گُل نہیں کر سکتے۔

❁ اِس جنگ میں کفارِ قریش کے بڑے بڑے سردار ہلاک ہوئے۔ عُتبہ، شَیبہ، اُمَیَّہ، عاص، عُقْبَہ اور ابوجہل کی ہلاکت سے کفارِ مکہ کی کمر ٹوٹ گئی، اُن کے پاؤں اُکھڑ گئے اور ہتھیار ڈال کر میدانِ بدر سے بھاگنے ہی میں انھوں نے عافیت جانی۔

اِس جنگ میں دشمنوں کے سَتَّر آدمی مارے گئے، اِن کی لاشوں کو گھسیٹ گھسیٹ کر بدر

---

[1] [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص:۱۷۵]

کے ایک گڑھے میں پھینکا گیا، اِتنے ہی کفار گرفتار کیے گئے اور باقی اپنا سامان چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ جب کہ صرف **چودہ مسلمان شہادت** سے **سرفراز** ہوئے، جن میں چھ مہاجر اور آٹھ انصار تھے۔

شہدائے مہاجرین کے اسمائے گرامی:

- [۱] حضرت عبیدہ بن حارث۔ [۲] حضرت عمیر بن ابو وقاص۔ [۳] حضرت عمیر بن عبد عمرو۔ [۴] حضرت عاقل بن ابو بکیر [۵] حضرت مہجع بن صالح۔ [۶] حضرت صفوان بن بیضا۔

شہدائے انصار کے ناموں کی فہرست:

- [۱] حضرت سعد بن خیثمہ۔ [۲] حضرت مبشر بن عبد المنذر۔ [۳] حضرت حارثہ بن سراقہ۔ [۴] حضرت معوذ بن عفرا۔ [۵] حضرت عمیر بن حمام۔ [۶] حضرت رافع بن معلیٰ۔ [۷] حضرت عوف بن عفرا۔ [۸] حضرت یزید بن حارث۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔[1]

حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی غیب دانی:

یوں تو جنگِ بدر کے موقع پر بہت سے ایسے واقعات رونما ہوئے جو صحابۂ کرام کے سچے عشقِ رسول، اُن کے جذبۂ جاں نثاری، حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی عظمت وشان اور اہلِ سنت وجماعت کے کئی عقائد پر دلالت کرتے ہیں؛ مگر یہاں پر **حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی غیب دانی** کا صرف ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

حدیث کی کتابوں میں یہ واقعہ درج ہے کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے رات کے وقت چند غلاموں کے ساتھ میدانِ بدر کا معائنہ فرمایا۔ سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی مقدس چھڑی سے زمین پر لکیریں بنانے لگے، ساتھ ہی ساتھ یہ فرمانے لگے کہ کل یہاں فلاں کافر مارا جائے گا، یہاں

---

۱ [ملخصاً از شرح الامام الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ، ج:۱، ص: ۴۴۴-۴۴۵]

فلاں کافر کی لاش ملے گی۔ اگلے دن ایسا ہی ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس کافر کے مرنے کے لیے جو جگہ مقرر فرمادی تھی وہ کافر وہیں مرا۔ کوئی بھی کافر ایک بال برابر بھی اِدھراُدھر نہیں مَرا۔[1]

ثابت ہوا کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خدا کی عطا سے یہ جانتے ہیں کہ کون، کب اور کہاں مرے گا۔ اِسی لیے ہمارے امام سرکارِ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کہتے ہیں:

اور کوئی غیب کیا تم سے نِہاں ہو بھلا — جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

سب سے بہادر صحابی:

جنگِ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بے مثال عاشق حضرت سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے زیادہ ہمت و جرأت کا مظاہرہ فرمایا۔ اِس کی دلیل یہ ہے کہ میدانِ بدر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نشست کے لیے صحابۂ کرام نے ایک ''عَرِیش'' [چھپر] بنایا تھا۔ اُس عریش کی حفاظت سب سے اہم تھی؛ کسی مسلمان کا اُس کے قریب جانا اپنی موت کو دعوت دینا تھا؛ اِس لیے کہ کفار کا اصل نشانہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی تھی۔

یہ سعادت بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی اور آپ اپنی ننگی تلوار لے کر اُس جھونپڑی کے پاس ڈٹ کر کافروں کا مقابلہ کرتے رہے۔ اِسی لیے حضرت مولائے کائنات شیرِ خدا رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ

❁ ہم میں سب سے بہادر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں''۔[2]

فرشتوں کی فوج:

جنگِ بدر میں مسلمانوں کی نصرت و حمایت کے لیے اللہ عز وجل نے آسمان سے فرشتے نازل فرمائے تھے۔ قرآنِ مقدس میں ہے کہ پہلے ایک ہزار فرشتے آئے، پھر تین ہزار ہو

---

[1] [السنن للامام ابی داوٗد، ج:۲، ص:۳۶۴۔ والصحیح للامام مسلم، ج:۲، ص:۱۰۲]

[2] [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص:۱۷۹]

گئے اُس کے بعد یہ تعداد پانچ ہزار تک پہنچ گئی۔ اِس کی تفصیل سورۂ آلِ عمران میں ہے۔فرشتے کسی کو نظر نہیں آتے تھے؛ مگر اُن کے حملوں کے اثرات صاف دکھائی دیتے تھے۔مثلاً کافروں کی ناک اور منہ پر کوڑوں کی مار کے نشان پائے جاتے تھے۔کہیں بغیر تلوار مارے کافر کا سَر کٹ کر گرتا ہوا نظر آتا تھا۔یہ فرشتوں کی فوج کے کارنامے تھے۔[1]

قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک:

''قیدیوں'' کو سرکارِ دو عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام میں تقسیم فرمایا اور اُن کے ساتھ اچھے سلوک کی تاکید کی۔صحابۂ کرام نے اُن دشمنوں کے ساتھ ایسا محبت آمیز سلوک کیا کہ انسانی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔وہ خود تو کھجوریں کھاتے؛ مگر قیدیوں کو روٹی سالن کھلاتے۔[2]

قیدیوں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام سے مشورہ فرمایا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُنھیں قتل کرنے کی رائے دی۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ اِنھیں فِدیہ لے کر آزاد کر دیا جائے۔اور لوگوں نے بھی مختلف رائیں دی؛ مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے یارِ غار کی رائے کو پسند فرمایا، چناں چہ جن کے پاس دولت تھی اُنھیں فدیہ لے کر آزاد کیا گیا، جو مفلس تھے اُنھیں یوں ہی چھوڑ دیا گیا اور جنھیں لکھنا آتا تھا اُن کا فدیہ یہ مقرر ہوا کہ وہ انصار کے دس لڑکوں کو لکھنا سِکھا دیں۔

اِس احسان سے کئی فائدے حاصل ہوئے۔ایک یہ کہ مسلمانوں کو مالی امداد مِل گئی، دوسرا یہ کہ انصار کے بہت سے بچوں کو لکھنا آ گیا اور تیسرا یہ کہ اُن میں بہت سے لوگوں کو ایمان کی دولت ملی اور کئی لوگوں کی آنے والی نسلیں ایمان کی نعمت سے سرفراز ہوئیں۔[3]

---

۱ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص:۱۸۶]

۲ [ملخصاً از ضیاء النبی، ج:۳، ص:۳۸۳]

۳ [ملخصاً از مدارج النبوۃ، مترجم، ج:۲، ص:۱۳۸]

دو ہجری کے متفرق واقعات:

دو ہجری میں مندرجہ ذیل واقعات بھی رونما ہوئے:

- اِس سال روزہ اور زکاۃ کی فرضیت کے احکام نازل ہوئے۔
- اِسی سال پہلی مرتبہ آقاے دو عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عیدگاہ میں عید الفطر کی نماز با جماعت ادا فرمائی۔
- اِسی سال صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم نازل ہوا۔
- اِسی سال ۱۰/ ذو الحجہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بقرعید کی نماز ادا فرمائی اور نماز کے بعد دو مینڈھے قربان کیے۔[1]

غزوۂ اُحُد:

''غَزْ وَ ۂ اُحُدُ'' تین ہجری کا سب سے بڑا واقعہ ہے۔ یہ جنگ ۱۵/ شوال المکرم ۳/ ہجری میں مسلمانوں اور مکۂ مکرمہ کے مشرکوں کے درمیان، مدینۂ منورہ سے تقریباً تین مِیل کی دوری پر واقع ''اُحُد'' پہاڑ کے دامن میں ہوئی۔

مسلمانوں کی قیادت حضور رحمۃ للعالَمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی؛ جب کہ کافروں کی قیادت ابو سفیان نے کی تھی۔ ابوسفیان نے ہتھیاروں سے لیس تین ہزار سے زائد فوجیوں کے ساتھ مدینۂ منورہ پر حملہ کرنے کی ٹھانی تھی۔ قرآنِ کریم کی آیتوں میں اللہ عز وجل نے اِس جنگ کے واقعات کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔[2]

جنگِ احد کے اسباب:

مُنْدَرَجہ ذیل ''اسباب وعَوَامِل'' کی بِنا پر یہ جنگ واقع ہوئی:

---

1 [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص:۱۹۹]

2 [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص:۲۰۰]

- جنگِ بدر میں قریش کے بڑے بڑے سردار مارے گئے تھے، جس کے سبب مکہ کا ہر گھر ماتم کدَہ بنا ہوا تھا اور قریش کا بچہ بچہ مسلمانوں سے لڑنے کے لیے بے قرار تھا۔
- اِس شکست نے قریش کے اقتدار کو پارہ پارہ کر دیا تھا اور اُن کے بتوں کی خدائی پر بھی کاری چوٹ لگائی تھی۔
- کفارِ عرب خون کا بدلہ لینا نہایت ضروری اور اپنا قومی فریضہ سمجھتے تھے۔
- چناں چہ کفارِ مکہ ابوسفیان کے پاس جمع ہو کر بولے: ہمیں اِس سال تجارت سے جو بھی نفع مِلا ہے اُس سے، بہترین ہتھیار خرید کر ایک عظیم الشان لشکر تیار کرنا چاہیے اور مسلمانوں پر حملہ کر کے اُنھیں دنیا سے نیست و نابود کر دینا چاہیے۔ چنانچہ تجارت سے حاصل کیے گئے پچاس ہزار پاؤنڈ، مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے مختص کر دیا گیا۔

لیکن ہمارے نبی سردارِ دو جہاں حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے غلاموں سے لڑنا آسان کام نہ تھا، اِس لیے اُنھوں نے دَورَہ کر کے عرب کے تمام قبیلوں میں اشتعال پیدا کر دیا۔ چناں چہ بے پناہ جوش و خروش کے ساتھ کافروں کا تین ہزار جنگ آزما سورماؤں پر مشتمل لشکرِ جرّار ۵/شوال ۳/ہجری کو مکۂ مکرمہ سے روانہ ہوا۔[1]

جنگِ احد کے لیے مسلمانوں کا جوش وولولہ:

کافروں کے حملے کی خبر سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابۂ کرام سے مشورہ طلب فرمایا۔ بعضوں نے مشورہ دیا کہ شہر کے اندر رہ کر دشمنوں سے مقابلہ کیا جائے؛ جب کہ چند جوانوں نے جوشِ جہاد میں یہ رائے دی کہ میدان میں نکل کر دشمنوں سے فیصلہ کن جنگ کی جائے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک ہزار کی فوج لے کر مدینۂ منورہ سے باہر تشریف لائے۔ راستے میں منافقوں کے سردار عبد اللہ بن اُبَی نے دھوکا دیا اور اپنے تین سَو آدمیوں کو لے کر، یہ کہتے ہوئے واپس چلا گیا کہ جب ہمارا مشورہ

---

[1] [ملخصاً از ضیاء النبی ج: ۳، ص: ۴۵۷ تا ۴۶۱]

نہیں مانا گیا تو ہم اپنی جان خطرے میں کیوں ڈالیں؟

اب **تین ہزار** کے لشکرِ جرار کے مقابلے میں صرف **سات سَو** صحابہ رہ گئے۔[1]

غزوۂ احد کی ابتدا:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۵/ شوال سنیچر کے دن فجر کی نماز کے وقت اپنے جاں نثار غلاموں کے ساتھ ''اُحُدُ'' پہنچے۔ نمازِ فجر ادا کرنے کے بعد مورچہ بندی شروع فرمائی اور پچاس تیراندازوں کے ایک دستے کو منتخَب فرما کر اُنھیں لشکر کے پیچھے والے، جَبَلُ الْعَیْنَیْن نامی پہاڑ پر موجود اُس دَرّے [تنگ راستے] پر مقرّر فرمایا جس کی طرف سے کافروں کے حملہ کا اندیشہ تھا اور ''حضرت عبد اللہ بن جبیر'' کو اُس دستے کا افسر بنا کر یہ حکم دیا کہ ہماری اجازت کے بغیر یہاں سے ہرگز مَت ہٹنا۔

❁ اَب ''**ابو عامر اَوسی**'' چند کافروں کے ساتھ آگے بڑھ کر مسلمانوں پر تیر برسانے لگا۔ اُس کے جواب میں مسلمانوں نے ایسی سنگ باری کی کہ وہ اپنے ساتھیوں سمیت میدان سے بھاگ کھڑا ہوا۔ کچھ دیر بعد لشکرِ کفار کا عَلَم بردار ''**طلحہ بن ابو طلحہ**'' میدان میں آکر مسلمانوں کو للکارنے لگا۔ ''**حضرت علی شیرِ خدا**'' رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر ایک ہی وار میں اُس کا کام تمام کر دیا۔

❁ اُس کے بعد ''**عثمان بن ابو طلحہ**'' نے زور آزمائی کی؛ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ''**حضرت حمزہ**'' رضی اللہ عنہ نے شیرِ بَبر کی طرح جھپٹ کر اُس کی کمر توڑ دی۔ غرض یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جاں نثار صحابہ کے سخت حملوں کی تاب نہ لا کر کفارِ مکہ میدانِ جنگ سے بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔[2]

جنگ کا پانسہ پلٹ گیا:

کافروں کے بھاگنے کے بعد مسلمان مالِ غنیمت جمع کرنے لگے تو دَرّے پر موجود پچاس صحابۂ کرام میں سے اکثر یہ کہہ کر نیچے اتر آئے کہ ''**اب یہاں رکنے کی کوئی حاجت نہیں**''؛ مگر اُن

---

[1] [ملخصاً از مدارج النبوۃ مترجم، ج:۲، ص:۱۵۷-۱۵۸]

[2] [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص:۲۰۶-۲۰۷]

کے سردار حضرت عبد اللہ بن جبیر وہیں ڈٹے رہے۔ خالد بن ولید [یہ اُس وقت مسلمان نہ تھے] نے درّے کو خالی پا کر، کافروں کو جمع کر کے مسلمانوں پر سخت ترین حملہ کر دیا۔ **حضرت عبد اللہ بن جبیر اپنے ساتھیوں سمیت شہید ہو گئے** اور اِس ناگہانی حملے سے مسلمانوں کا زبردست جانی و مالی نقصان ہوا۔[1]

کافروں کے پلٹ وار میں تقریباً **"ستّر صحابۂ کرام"** نے جامِ شہادت نوش فرمایا؛ مگر تقریباً **"تیس کفار"** بھی واصلِ جہنم ہوئے۔ اِس جنگ میں حضرت حنظلہ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیارے چچا حضرت حمزہ، حضرت مصعب بن عُمیر رضی اللہ عنہم اجمعین بھی شہید ہوئے۔ نیز اسی ہمہمی میں آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو دندانِ مبارک [بابرکت دانت] شہید ہو گئے اور نیچے کا مقدس ہونٹ بھی زخمی ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔[2]

حضور جانِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کی خبر نے غضب ڈھادیا:

ابنِ قَمِیَہ نامی ملعون و بدبخت کافر نے **"حضرت مُصعَب بن عُمیر"** کو تیر مار کر شہید کر دیا، یہ ظاہری شکل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ مشابہت رکھتے تھے۔ جب یہ زمین پر گرے تو بعض کافروں نے غُل مچا دیا کہ [معاذ اللہ] حضور تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید کر دیے گئے۔

❁ اللہ اکبر! اِس اعلان نے غضب ڈھا دیا۔ مسلمان بالکل ہی بے قابو ہو کر میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ اُس وقت بڑے بڑے بہادروں کے پاؤں اُکھڑ گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہاں ہیں، کس حال میں ہیں کسی کو کچھ خبر نہ تھی۔ حضرت علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ انتہائی بے قراری کے عالم میں اپنی **"ذوالفقار"** چلا کر کافروں کو گاجر مولی کے طرح کاٹتے جاتے اور مُڑ مُڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے جاتے۔

❁ جنگ تو جاری رہی اور اسلام کے جاں نثار جہاں تھے وہیں لڑتے رہے؛ مگر سب کی نگاہیں

---

1 [ملخصاً از ضیاء النبی، ج:۳،ص:۴۸۸]

2 [ملخصاً از ضیاء النبی، ج:۳،ص:۵۰۷]

''جمالِ نبوت'' کوتلاش کررہی تھیں۔عین مایوسی کے عالَم میں جس نے سب سے پہلے ''جمالِ مصطفیٰ'' دیکھا وہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی خوش نصیب آنکھیں ہیں۔اُنھوں نے پکارا کہ

مسلمانو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں ہیں۔یہ سن کر مسلمانوں کی جان میں جان آئی اور وہ تیزی کے ساتھ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آنے کی کوشش کرنے لگے۔[1]

صحابہ کا جوشِ جاں نثاری:

جب کافروں کا بے پناہ ہجوم ہر جانب سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ کرنے لگا تو صحابۂ کرام، اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کے لیے اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر جنگ کی آگ میں کود پڑے۔ چناں چہ:

- حضرت ابودُجانہ جھک کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ڈھال بن گئے اور کافروں کی طرف سے برسنے والی تلواروں کو اپنی پیٹھ پر روکنے لگے۔
- حضرت طلحہ جوشِ جاں نثاری میں کافروں کی تلواروں کے وَار اپنے ہاتھ سے روکنے لگے یہاں تک کہ اُن کا ایک ہاتھ بیکار ہوگیا۔
- حضرت ابوطلحہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے کر کے کافروں پر تیر برسانے لگے اور کہنے لگے:
- یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ گردن نہ اُٹھائیں! کہیں ایسا نہ ہو کہ کافروں کا کوئی تیر آپ تک پہنچ جائے۔
- حضرت قتادہ بن نعمان نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ اقدس کو بچانے کے لیے اپنا چہرہ دشمنوں کی طرف کرلیا۔اچانک ایک تیر اُن کی آنکھ میں لگا جس سے آنکھ بہہ کر رخسار پر آگئی۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کی آنکھ، حلقہ میں رکھ کر دعا فرمادی۔دعا کی برکت سے اُن کی وہ آنکھ دوسری آنکھ

---

[1] [ملخصاً از سیرت مصطفیٰ، ص: ۲۱۲ تا ۲۱۴]

سے زیادہ روشن اور خوب صورت ہوگئی۔ سبحان اللہ۔

حضرت علی مولائے کائنات اور دیگر صحابہ بھی دشمنوں پر مسلسل حملہ کرتے رہے۔ آقائے دو عالَم ﷺ کی حفاظت کے لیے اُنھوں نے اپنی جان کی بازی لگادی۔[1]

حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو زخمی کرنے والے بدبختوں کا عبرت ناک انجام:

جن بدبختوں نے کونین کے آقا ﷺ پر قاتلانہ حملہ کیا تھا، وہ آخرت کے عذاب سے پہلے دنیا ہی میں سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوئے۔ دو خبیثوں کا عبرت ناک انجام ملاحظہ فرمائیں:

[۱] اُبَی بن خلف ملعون: اِس خبیث نے مکہ میں ایک گھوڑا پال رکھا تھا۔ وہ روزانہ اُسے چراتا اور لوگوں میں اعلان کرتا کہ اِسی پر سوار ہوکر میں محمد [فداہ ابی وامی] کو قتل کروں گا۔ حضور ﷺ کو خبر ہوئی تو فرمایا: ان شاء اللہ تعالیٰ میں اُبَیْ بنْ خَلَفْ کو قتل کروں گا۔

یہ ملعون ''غزوۂ احد'' میں اپنے اُسی گھوڑے پر سوار ہوکر، حضور ﷺ کو شہید کرنے کی نیت سے بڑھا۔ حضور ﷺ نے ایک چھوٹا نیزہ اُس کی گردن پر مارا۔ زخم تو معمولی آیا؛ مگر اُس کی ناقابلِ برداشت تکلیف سے چیختا ہوا بھاگا۔ راستے بھر تڑپتا رہا یہاں تک مقامِ ''سَرِف'' میں ہلاک ہوگیا۔[2]

[۲] عبداللہ بن قمیہ: اِس ظالم نے پوری طاقت کے ساتھ حضور ﷺ کے چہرۂ اقدس پر تلوار ماری تھی۔ اللہ ربُّ العزت نے اُس پر ایک پہاڑی بکرا مُسلَّط فرمادیا۔ اُس بکرے نے سینگ مار مار کر اُسے چھلنی کردیا اور پہاڑ کی بلندی سے نیچے پھینک دیا، جس سے اُس کی ناپاک لاش چیتھڑے ہوکر زمین پر بکھر کر نشانِ عبرت بن گئی۔[3]

---

۱ [ملخصاً از مدارج النبوۃ مترجم، ج:۲، ص:۱۶۷-۱۶۸]

۲ [ملخصاً از شرح الامام الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ، ج:۲، ص:۴۵]

۳ [ملخصاً از شرح الامام الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ، ج:۲، ص:۳۹]

غزوۂ احد سے متعلق چند اہم واقعات:

❁ ''وحشی'' نامی ایک شخص نے نہایت بے دردی کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ پھر ابوسفیان کی بیوی ''ہندہ'' نے اُن کے سینے کو چاک کیا، کلیجہ نکالا اور اُسے کچا چبا کر تھوک دیا؛ مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''فتحِ مکہ'' کے دن ایسے دشمنوں کو بھی معاف فرما دیا۔[1]

❁ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرتِ حنظلہ کے بارے میں فرمایا: فرشتے حنظلہ کو غسل دے رہے ہیں۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ اعلانِ جہاد کے وقت وہ اپنی بیوی کے پاس تھے۔ اُسی حالت میں شریکِ جنگ ہوئے اور شہید ہو گئے۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِسی لیے اِنھیں فرشتوں نے غسل دیا ہے۔ اِسی وجہ سے حضرت حنظلہ کو ''غَسِیْلُ الْمَلٰئِکَۃ'' کہا جاتا ہے۔[2]

❁ جب ظالم کافر انتہائی بے دردی کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تیر برسا رہے تھے، عین اُسی وقت ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے لیے یہ دعا فرما رہے تھے: **رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ اے اللہ! میری قوم کو بخش دے! وہ مجھے جانتے نہیں ہیں۔**[3]

❁ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ اقدس سے بہنے والے خون کو حضرتِ مالک بن سنان نے جوشِ عقیدت میں پی لیا۔ یہ دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنھیں بشارت دی کہ اب تمھیں دوزخ کی آگ چھو بھی نہیں سکے گی۔[4]

❁ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہدائے اُحد کی قبروں کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے تھے اور آپ کے بعد حضرت صدیقِ اکبر اور حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہما کا بھی یہی عمل رہا۔[5]

---

۱ [ملخصاً از مدارج النبوۃ، ج:۲، ص:۱۶۳ تا ۱۶۵]

۲ [مدارج النبوۃ، ج:۲، ص:۱۶۹]

۳ [الصحیح للامام مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب غزوۃ احد، رقم الحدیث: ۴۷۴۲]

۴ [شرح الامام الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ، ج:۲، ص:۳۹]

۵ [ضیاء النبی؛ ج ۳: ص ۵۵۴ بحوالہ دلائل النبوۃ للامام البیہقی، ج:۳، ص:۳۰۶]

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

- اے اللہ! اِن لوگوں نے تیری رضا کے لیے جان دی ہے۔

یہ بھی فرمایا:

- روزِ قیامت اللہ تعالیٰ اِنھیں اِس حال میں اُٹھائے گا کہ اِن کے زخموں سے خون بہتا ہوگا۔ رنگ تو خون کا ہوگا؛ مگر اُس کی خوش بو مشک کی طرح ہوگی۔[1]

جنگِ احد کا درسِ عبرت:

اِس جنگ میں مسلمانوں کو ہونے والے شدید نقصانات سے یہ سبق مِلا کہ ہمیں ہر حال میں حضور رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرماں برداری کرنی چاہیے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی بجا آوری ہی میں دارین کی کامیابیوں کا راز پنہا ہے۔ دیکھیے! بعض صحابہ خطاے اجتہادی کی بنا پر، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی مخالفت کرکے، دَرّے سے نیچے اُتر آئے تو اللہ عزوجل نے اُن کی کامیابی کو ناکامی میں تبدیل کردیا۔ آج جو لوگ جان بوجھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کرتے ہیں اُن کے انجامِ بد کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

کعب بن اشرف یہودی کا قتل:

غزوۂ احد کے بعد دشمنِ اسلام ''کعب بن اشرف یہودی'' کو کیفرِ کردار تک پہنچایا گیا، یہ شخص، اپنی بے انتہا دولت اور باکمال شاعری کے سبب نہ صرف یہودیوں؛ بلکہ عرب کے تمام قبیلوں میں ایک نمایاں مقام رکھتا تھا، اپنی دولت اور شاعری کا غلط استعمال کرتے ہوئے شب و روز پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف خطرناک سازشیں کیا کرتا تھا۔ یہ بد بخت جنگِ بدر کے بعد مکۂ مکرمہ جا کر، قریش کے سرداروں سے ملا اور انھیں مسلمانوں سے جنگِ بدر کا بدلہ لینے پر اُبھارا اور اشعار کے ذریعے آقاے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ اقدس میں سخت ترین گستاخیاں اور بے ادبیاں

---

[1] [مدارج النبوۃ، ج:۲،ص:۱۷۸]

کیں؛ بلکہ چپکے سے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو قتل کرنے کی بھی کوشش کی۔

اُس کی اِنھی حرکتوں کو دیکھ کر، حضرت محمد بن مسلمہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ، رات کے وقت اُس کے مکان پر گئے، اُسے قتل کر کے واصلِ جہنم کیا اور صبح کو بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اُس کا سر، تاج دار کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں ڈال دیا۔ اِس کارروائی میں حضرت حارث بن اوس رضی اللہ عنہ تلوار کی نوک سے زخمی ہو گئے تھے، حضرت محمد بن مسلمہ انھیں اٹھا کر بارگاہِ رسالت میں لائے۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنا لعابِ دہن لگا دیا، فوراً شفاے کامل مل گئی۔[1]

۳/ہجری کے متفرق واقعات:

تین ہجری میں غزوۂ احد کے علاوہ مندرجہ ذیل واقعات بھی رونما ہوئے:

- ۱۵/رمضان کو حضرت سیدنا امام حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت ہوئی۔
- اِسی سال حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بی بی حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ یہ حضرتِ عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں جو کہ غزوۂ بدر کے زمانے میں بیوہ ہو گئی تھیں۔
- اِسی سال آقاے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرتِ زینب بنتِ خزیمہ رضی اللہ عنہا کو شرفِ زوجیت سے نوازا۔
- اِسی سال حضرتِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہزادی حضرت سیدتنا اُمِّ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کرنے کا شرف حاصل ہوا۔
- میراث کے احکام وقوانین بھی اِسی سال نازل ہوئے۔
- اِسی سال مسلمانوں سے "**مشرکہ عورتوں**" کا نکاح ہمیشہ کے لیے ناجائز قرار دیا گیا۔[2]

---

۱ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص:۲۲۵]

۲ [ملخصاً از ضیاء النبی، ج:۳، ص:۵۷۲ تا ۵۷۸]

۴ رہجری کے اہم واقعات:

سن چار ہجری میں درج ذیل حادثات وقوع پزیر ہوئے:

اِس سال ''**حادثۂ رَجیع**'' پیش آیا۔ اِس دردناک سانحے کا اجمالی ذکر یہ ہے کہ چند کُفَّار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض گزار ہوئے کہ ہمارے قبیلے والے مسلمان ہو چکے ہیں، آپ تبلیغ کے لیے چند مسلمانوں کو بھیج دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس مُنتَخَب صحابہ کو بھیج دیا۔ اُن ظالموں نے بدعہدی کی اور دوسَو کی تعداد میں جمع ہوکر راستے میں اُن پر حملہ کر دیا، جس کے نتیجے میں دسوں حضرات نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ **انا للہ و انا الیہ رجعون**۔[1]

اِسی سال ''**واقعۂ بِئرِ مَعُونَہ**'' بھی پیش آیا۔ اِس دردناک حادثے کا مختصراً ذکر یہ ہے کہ ''**عامر بن مالک**'' نامی ایک کافر، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے اسلام کی دعوت دی؛ مگر اُس نے ٹال مٹول سے کام لیتے ہوئے کہا: آپ ہمارے ساتھ اپنے چنے ہوئے آدمی بھیج دیں، ہمیں امید ہے کہ اُن کی تبلیغ سے ہمارا قبیلہ مسلمان ہوجائے گا۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ میں اُن کی جان و مال کا ضامن ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سَتَّر چنے ہوئے "**قُرّاء صحابہ**" کو بھیج دیا۔ اُس غدار نے دھوکا دیا اور اپنے بھتیجے ''**عامر بن طفیل**'' کے ذریعہ ایک لشکرِ جرار بلا کر، حضرت عمرو بن امیہ ضمری کے سواسب کو نہایت بے دردی کے ساتھ شہید کروا دیا۔ یہ جاں کاہ خبر سن کر آقاے دو عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت ترین صدمہ لاحق ہوا۔[2]

''**غزوۂ بنونضیر**'' بھی اِسی سال رونما ہوا۔ اِس قبیلے کے یہودی نہایت بد باطن اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سخت دشمن تھے۔ مسلمانوں کے خلاف انتہائی خطرناک اور خوف ناک سازشیں

---

۱ [ملخصاً از ضیاء النبی، ج:۳، ص:۵۸۰ تا ۵۸۴]

۲ [ملخصاً از ضیاء النبی، ج:۳، ص:۵۹۲ تا ۵۹۵]

کرتے رہتے تھے، یہاں تک کہ اِنھوں نے حضرت صدیقِ اکبر، حضرت فاروقِ اعظم اور حضرت حیدرِ کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ساتھ ساتھ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ اِس کے باوجود اُنھیں مہلت دی گئی؛ مگر جب اُنھوں نے سرکشی کی حد کر دی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے غلاموں کے ساتھ اُن کا مُحاصرہ کر لیا اور پندرہ دنوں کی گھیرا بندی کے بعد اُنھیں نہایت ذلت و رسوائی کے ساتھ **''مدینۂ منورہ''** چھوڑ کر جانا پڑا۔[1]

- اِسی سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجۂ محترمہ **''حضرت زینب بن خُزَیمہ''** رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا۔[2]
- اِسی سال آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے **''حضرت اُمِّ سلمہ''** رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔[3]
- اِسی سال حضرتِ علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کی والدۂ محترمہ **''حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم''** رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا۔[4]
- اِسی سال **''حضرتِ سیدنا امام حسین''** رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔[5]
- اِسی سال شراب کو حرام قرار دیا گیا۔[6]

غزوۂ خندق:

- ''غزوۂ خَندَق'' کا دوسرا نام **''غزوۂ احزاب''** ہے۔ یہ، سَن پانچ ہجری کی لڑائیوں میں سب سے زیادہ مشہور ہے۔ اِس جنگ میں مسلمانوں کو فتحِ عظیم حاصل ہوئی۔

---

۱ [مصدرِ سابق، ص:۵۹۶]

۲ [مصدرِ سابق، ص:۶۲۲]

۳ [مصدرِ سابق، ص:۶۲۵]

۴ [مصدرِ سابق، ص:۶۲۸]

۵ [مصدرِ سابق، ص:۶۲۳]

۶ [مصدرِ سابق، ص:۶۳۰]

اِس کا مختصراً بیان یہ ہے کہ مشرکینِ مکہ نے مسلمانوں سے فیصلہ کن جنگ کرنے کی ٹھانی۔ابو سفیان نے قریش،عرب کے دوسرے قبیلوں اور یہودیوں کو جنگ پر راضی کیا اور آپس میں کئی معاہدے کرنے کے بعد،تقریباً دس ہزار کا لشکرِ جرّار تیار کرلیا اور اسلام کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے کے لیے"مدینۂ منورہ" کی جانب چل پڑا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اطلاع ملی تو حضرت سلمانِ فارسی کے مشورے سے،تین ہزار صحابۂ کرام کو ساتھ لے کر خندق کھودنے میں مصروف ہو گئے۔

آقاے کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دس دس آدمیوں پر دس دس گز زمین تقسیم فرمادی اور کافروں کے حملے سے پہلے،بیس دنوں میں یہ خندق تیار ہوگئی۔اِس وسیع وعریض خندق کے سبب دشمنانِ دین مسلمانوں کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکے۔ایک مہینے کے محاصرے اور اپنے بہت سے جاں بازوں کے قتل کے بعد،مشرکینِ مکہ نہایت ذلت کے ساتھ،مایوس ہوکر چلے گئے۔[1]

سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ سخت سردی،آپسی اختلاف اور فوج کا راشن ختم ہونے،نیز مشرق کی جانب سے،ڈیگوں کو اُلٹ دینے اور خیموں کو اُکھاڑ دینے والے خوف ناک طوفان نے اُنھیں سر پر پیر رکھ کر بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔

غزوۂ خندق کے چند اہم واقعات:

❁ خندق کھودنے کے دوران ایک ایسی چٹان ظاہر ہوگئی جسے کوئی توڑ نہ سکا۔صحابۂ کرام نے بارگاہِ رسالت میں ماجرا عرض کیا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُٹھے،اپنے دستِ اقدس میں کُدال لی اور تین دن کے فاقے کے باوجود،ایک ہی وار میں اُس چٹان کو ریت کے بھر بھرے ٹیلے کی طرح بکھیر دیا۔[2]

اِسی لیے ہمارا اعتقاد ہے کہ جیسی طاقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دی گئی کائنات میں نہ کسی کو ملی ہے،نہ

---

۱ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ،ص:۲۵۵ تا ۲۵۷]

۲ [الصحیح للامام البخاری،کتاب المغازی،باب غزوۃ خندق،رقم الحدیث:۴۱۰۱]

ملے گی۔ سبحان اللہ!

❁ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کے فاقوں کا علم ہوا۔ بے تاب ہو کر گھر تشریف لے گئے ۔ بیوی سے کہا: گھر میں موجود جَو کو پیس کر گوندھ لو! میں بکری کے بچے کی بوٹیاں بناتا ہوں۔ پھر بیوی کو کھانا تیار کرنے کا حکم دے کر حضور ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو کر، کان میں چپکے سے بولے:

یا رسول اللہ! ایک صاع آٹے کی روٹیاں اور ایک بکری کے بچے کا گوشت تیار ہے۔ چند حضرات کے ساتھ چل کر تناول فرما لیجیے۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے وہاں موجود تمام صحابہ کی دعوت کر دی۔ چناں چہ حضور ﷺ تشریف لائے، آٹے اور ہانڈی میں اپنا لعابِ دہن ڈال کر برکت کی دعا فرمادی۔ ایک ہزار لوگوں نے شکم سیر ہو کر کھایا؛ مگر نہ آٹا کم ہوا اور نہ ہی سالن اور بوٹیوں میں کوئی کمی واقع ہوئی۔[1]

یہ، حضور ﷺ کا عظیم الشان معجزہ ہے کہ نہایت مختصر کھانا ایک ہزار لوگوں نے پیٹ بھر کر کھالیا۔ سبحان اللہ۔

بے مثال شجاعت:

❁ اِسی جنگ میں عرب کا مشہور بہادر ''عَمْرو بِنْ عَبْدِ وُدّ''، حضرت علی شیرِ خدا کرم اللہ وجہہ الکریم کے ہاتھوں مارا گیا۔ یہ، ایک ہزار سواروں کے برابر مانا جاتا تھا۔ خندق پھلانگ کر مسلمانوں کو مقابلے کی دعوت دی۔ حیدرِ کرار جنگ کے لیے آمادہ ہوئے۔ حضور ﷺ نے روکا؛ مگر شیرِ خدا نے اُسے جہنم پہنچانے کی ضد کر لی۔ علی کی جرأت دیکھ کر حضور ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے اُن کے سر پر عمامہ باندھا اور اپنی خاص تلوار ''ذوالفقار'' عطا فرمائی اور یہ دعا کی:

اے اللہ! علی کی مدد فرما!

---

[1] [مصدرِ سابق]

میدانِ جنگ میں جا کر حیدرِ کرار نے بہادری کے جوہر دکھاتے ہوئے ذوالفقار کا ایسا چچا تلا ہاتھ مارا کہ تلوار اُس کے کندھے کو کاٹتی ہوئی کمر سے پار ہوگئی اور اُس کا سارا غرور خاک میں مِل گیا۔[1]

۵ رہجری کے مزید کچھ واقعات:

ہجرت کے پانچویں سال درج ذَیل واقعات بھی ظہور پزیر ہوئے:

- اِسی سال ''غزوۂ بنوقُریظہ'' پیش آیا۔ اِس کا مختصر بیان یہ ہے کہ بنوقریظہ کے یہودیوں نے مسلمانوں کے ساتھ عہد شکنی کی تھی اور غزوۂ خندق میں کفارِ مکہ کے ساتھ مِل کر مدینۂ منورہ پر حملہ کیا تھا۔

جنگِ خندق کے بعد، حضور ﷺ نے صحابۂ کرام کے ساتھ، اُن کے قلعوں کو گھیر لیا۔ ایک مہینے کے محاصرے کے بعد، انھوں نے یہ کہا: ہم حضرت سعد بن معاذ کے فیصلہ پر راضی ہیں۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے آ کر یہ فیصلہ کیا کہ ''**لڑنے والے یہودیوں کو قتل کیا جائے، عورتوں اور بچوں کو قیدی بنایا جائے اور اِن کا تمام مال مجاہدینِ اسلام میں تقسیم کر دیا جائے**''۔

یہ فیصلہ سن کر آقائے دو عالَم ﷺ نے فرمایا: اے سعد! تم نے اِن یہودیوں کے بارے وہی فیصلہ سنایا ہے جو اللہ کا فیصلہ ہے۔

- اِسی سال عورتوں کے لیے پردَہ فرض کیا گیا۔
- اِسی سال ''تَیَمُّم'' کی آیت نازل ہوئی۔
- اِسی سال حضور ﷺ نے حضرتِ زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔[2]

---

[1] [ملخصاً من شرح الزرقانی علی المواہب، ج: ۲، ص: ۱۱۴-۱۱۵]

[2] [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص: ۲۷۲ تا ۲۷۴]

بیعتِ رضوان:

❁ ''**بیعتِ رضوان**'' سن چھ ہجری کا سب سے اہم اور شان دار واقعہ ہے۔ اسلامی تاریخ میں اِسے بڑی اہمیت حاصل ہے۔

اِس کا نہایت مختصر تذکرہ یہ ہے کہ ذوالقعدہ ۶ رہجری میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چودہ سَو صحابۂ کرام کے ساتھ ''**عُمرَہ کا اِحرام**'' باندھ کر ''**مکۂ مکرمہ**'' کے لیے روانہ ہوئے۔ کفارِ مکہ کو معلوم ہوا تو اُنھوں نے ''**عرب کے تمام قبیلوں**'' کو جمع کرکے ایک فَوج تیار کر لی اور یہ اعلان کر دیا کہ ہم ہرگز **مسلمانوں کو نہ مکہ میں داخل ہونے دیں گے اور نہ ہی خانۂ کعبہ کا طواف کرنے دیں گے**۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ''مَقامِ حُدَیْبِیَہ'' میں پڑاو ڈال کر کفارِ مکہ کو یہ یقین دِلانے کی پوری کوشش کی کہ ''**ہم لوگ جنگ کرنے نہیں، صرف عمرَہ کرنے آئے ہیں**''؛ مگر وہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی پر اَڑے رہے۔ بالآخر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ''**حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ**'' کو مکہ بھیجا۔ حضرت عثمانِ غنی چوں کہ کفارِ مکہ کے نزدیک بڑے معزّز تھے؛ اس لیے اُنھوں نے آپ کا لحاظ کرتے ہوئے کہا:

ہم آپ کو ''**عمرہ**'' کرنے کی اجازت دیتے ہیں ؛ لیکن **محمد** [صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم] اور دوسرے مسلمانوں کو ہم کعبہ کے قریب بھی نہیں آنے دیں گے۔ یہ سن کر حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ نے عمرہ کرنے سے صاف انکار کر دیا اور یہ غیرت مندانہ جواب دیا:

❁ خدا کی قسم! میں اپنے آقا محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بغیر نہ خانۂ کعبہ کا طواف کروں گا اور نہ ہی صفاومروہ کی سعی کروں گا۔ یہ جواب سن کر کفارِ مکہ ناراض ہو گئے اور اُنھوں نے حضرت عثمان کو مکہ ہی میں روک لیا۔ اِدھر حدیبیہ میں مسلمانوں میں یہ مشہور ہو گیا کہ کفار مکہ نے **حضرت عثمان کو شہید کر دیا** ہے۔ یہ خبر سُن کر خواجۂ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عثمان کے خون کا بدلہ لینا فرض ہے۔ یہ فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور صحابۂ کرام سے فرمایا:

تم سب میرے ہاتھ پر اِس بات پر بیعت کرو کہ تم میرے وفادار اور جاں نثار رہو گے۔ تمام صحابہ نے نہایت جوش وخروش کے ساتھ، جاں نثاری کا عہد کرتے ہوئے اپنے آقا و مولا حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دستِ اقدس پر بیعت کر لی۔ یہی وہ بیعت ہے جس کا نام تاریخِ اسلام میں "بَیۡعَۃُ الرِّضۡوَانۡ" ہے۔[1]

❁ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کلامِ ازلی میں اِس بیعت کا "تذکرہ" بھی ہے اور بیعت کرنے والوں کی "فضیلت" کا بیان بھی۔

ہمارے رب حق جَلَّ مَجۡدُہٗ نے سورۂ فتح میں فرمایا: اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ ترجمہ: اے رسولِ مکرم! جو لوگ تمھاری بیعت کرتے ہیں یقیناً وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اُن کے ہاتھوں پر اللہ کا دستِ قدرت ہے۔[2]

اِسی سورت کے دوسرے مقام پر بیعتِ رضوان والوں کی فضیلت اور اُن کے اجر وثواب کو یوں بیان فرمایا: لَقَدۡ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ یُبَایِعُوۡنَکَ تَحۡتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ فَاَنۡزَلَ السَّکِیۡنَۃَ عَلَیۡہِمۡ وَ اَثَابَہُمۡ فَتۡحاً قَرِیۡباً ترجمہ: بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے، جب وہ درخت کے نیچے تمھاری بیعت کرتے تھے، تو اللہ نے جانا جو اُن کے دلوں میں ہے، پھر اُن پر اطمینان اتار دیا اور اُنھیں جلد آنے والی فتح کا انعام دیا۔[3]

❁ لیکن "بیعتِ رضوان" کے بعد حضرت عثمانِ غنی بخیر و عافیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو گئے۔

---

۱ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص: ۲۷۵-۲۷۶]

۲ [سورۂ فتح، آیت نمبر: ۱۰]

۳ [سورۂ فتح، آیت نمبر: ۱۸]

مقامِ حدیبیہ میں رونما ہونے والے معجزات:

مقامِ حدیبیہ میں ہمارے نبی ﷺ سے صادر ہونے والے چند **"معجزات"** یہ ہیں:

جس وقت حضور تاجدارِ انبیا ﷺ مقامِ حدیبیہ میں پہنچے، اُس وقت وہاں پانی کی بے حد کمی تھی۔ صرف ایک کنواں تھا، وہ بھی چند گھنٹوں میں خشک ہو گیا تھا۔ جب حضور ﷺ کے صحابہ پیاس کی شدت سے بے قرار ہوئے تو آقا و مولا ﷺ نے ایک بڑے پیالے میں **"اپنا با برکت ہاتھ"** ڈال دیا۔ جانِ کائنات ﷺ کے مقدس ہاتھوں کی پاکیزہ انگلیوں سے نہایت شیریں اور انتہائی صاف و شفاف چشمہ جاری ہو گیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے اُس مقدس پانی کی خوب برکتیں لوٹیں اور خوب شکم سیر ہو کر اُسے نوش فرمایا۔[1]

محققین فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی مبارک انگلیوں سے نکلنے والا پانی، دنیا اور آخرت کے تمام پانیوں سے افضل و بہتر ہے؛ مگر اب یہ دست یاب کہاں۔ یہ حضور ﷺ کا ایسا معجزہ ہے جو کسی بھی نبی کے حصے میں نہ آیا۔ **سبحان اللہ!**

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِسی حدیثِ پاک کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا ہے:

انگلیاں ہیں فَیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر ندّیاں پنجابِ رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

جب صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے، حضور ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں حدیبیہ کے کنویں کے خشک ہونے کی شکایت کی تو آپ نے اپنے **"وضو کا پاکیزہ غُسالہ"** اُس میں ڈال دیا۔ اس کی برکت سے اُس خشک کنویں میں اِس قدر پانی اُبلنے لگا کہ پورا لشکر اور تمام جانور اُس پانی سے مسلسل کئی روز تک سیراب ہوتے رہے۔ **سبحان اللہ!**[2]

---

[1] [الصحیح للامام البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیۃ، رقم الحدیث: ۴۱۵۲]

[2] [الصحیح للامام البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیۃ، رقم الحدیث: ۴۱۵۰]

صلحِ حدیبیہ:

"صُلحِ حدیبیہ" بھی سن ۶ ہجری کا اہم ترین واقعہ ہے۔تاریخِ اسلام میں اِس کو بڑی اہمیت حاصل ہے؛ کیوں کہ ۶ ہجری کے بعد اسلام کی تمام ترقیوں اور سربلندیوں کا راز اِسی صلح سے وابستہ ہے۔ ہمارے رب اللہ عزوجل نے قرآنِ مجید میں اِس صلح کو "فتحِ مبین" کا لقب عطا فرمایا ہے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ پہنچے تو سب سے پہلے "بُدَیل بن ورقا" نامی ایک غیر مسلم؛ مگر مخلص شخص نے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا کہ "کفارِ مکہ" آپ سے جنگ کی تیاری میں ہیں۔ اُنھوں نے یہ ٹھانی ہے کہ وہ آپ کو خانۂ کعبہ تک پہنچنے نہیں دیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس سے کہا کہ تم جا کر قریش کے سرداروں کو سمجھاؤ! ہم جنگ کرنا نہیں چاہتے۔ قریش کو پہلے ہی کافی کچھ نقصان پہنچ چکا ہے۔ وہ چاہیں تو مجھ سے ایک مدت تک کے لیے "صلح کا مُعَاہَدہ" کرلیں۔ یہی اُن کے حق میں بہتر ہے۔ اور اگر انھوں نے مجھ سے جنگ کی تو قسم ہے مجھے اُس ذات کی، جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ میں اُن سے تادمِ حیات لڑتا رہوں گا۔

جب بدیل بن ورقا نے مکہ جا کر قریش کے سرداروں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام سنایا تو قریش کے شرارت پسند لونڈے آگ بگولا ہو کر شور مچانے لگے؛ مگر اُن کا ایک تجربہ کار سردار "عروہ بن مسعود ثقفی" کھڑا ہوا اور اُن سے اپنی عظمت کا اعتراف کروانے کے بعد بولا: محمد [صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] نے بڑی اچھی بات پیش کی ہے؛ لہٰذا تم مجھے اُن کے پاس جانے دو؛ تاکہ میں اُن سے صلح کے معاملات طے کر لوں۔ سب نے بیک زُبان ہو کر کہا: ٹھیک ہے، آپ محمد [صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] کے پاس جا کر معاملات طے کر آیئے! اِس طرح سے "صلح" کی زمین ہموار ہوگئی۔[۱]

---

[۱] [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص:۲۷۸-۲۷۹]

عروہ بن مسعود کی دھمکی:

حضور ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں آنے کے بعد ''عروہ بن مسعود'' نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا: اے محمد! [ﷺ] اگر آپ نے لڑکر اپنی قوم ''قریش'' کو برباد کردیا تو مجھے بتایئے! کہ کیا آپ سے پہلے کسی ''عرب'' نے اپنی ہی قوم کو برباد کیا ہے؟ اور اگر لڑائی میں قریش غالب آئے تو مَیں یہاں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں جو آپ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جانے والے ہیں۔ عروہ کا یہ طنز سن کر یارِ غار حضرت سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ ضبط نہ کرسکے اور بے ساختہ پکار اٹھے:

اپنی دیوی ''لات'' کے غلیظ چیتھڑے چومنے والے! خاموش ہو جا۔ کیا ہم لوگ اپنے آقا ومولا کو بے یار ومددگار چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟[1]

حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ جواب بتلاتا ہے کہ تمام صحابۂ کرام میں عشقِ رسول کا جو مقام اُنھیں حاصل ہے وہ کسی اور کو حاصل نہیں۔

❁ اِس کے بعد عروہ بن مسعود گھوم گھوم کر صحابۂ کرام کی نقل وحرکت کا جائزہ لینے لگا۔ حضور ﷺ کے سچے غلاموں کی عقیدت ومحبت کے بے مثال جذبات دیکھ کر وہ بے حد متأثر ہوا اور قریش کے لشکر میں پہنچ کر اُنھیں تمام تفصیلات سے آگاہ کیا۔

عروہ بن مسعود کے تاثرات:

مکۂ مکرمہ پہنچ کر عروہ بن مسعود نے ''**اپنا تأثر اِن لفظوں میں**'' بیان کیا:

❁ اے قریش! خدا کی قسم مَیں دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار میں گیا ہوں؛ مگر **محمد** [ﷺ] کی شان ہی الگ ہے۔ میں نے کسی درباری کو اپنے بادشاہ کی ایسی تعظیم کرتے نہیں دیکھا جیسی تعظیم **محمد** [ﷺ] کے اَصحاب اُن کی کرتے ہیں۔ اُن کی شان تو یہ ہے کہ صحابہ اُن کے

[1] [ملخصاً از ضیاء النبی، ج: ۴، ص: ۱۳۶-۱۳۷]

تھوک اور وضو کے دھوون کو اپنے ہاتھوں میں لے کر جسم پر مَل لیتے ہیں، وہ جب بولتے ہیں تو صحابہ بالکل خاموش ہو جاتے ہیں۔ محمد [ﷺ] کے غلاموں کے دلوں میں اُن کی ایسی عظمت ہے کہ وہ اُن کی طرف نظر بھر کر دیکھ بھی نہیں سکتے۔

- اے قریش! جنگ تو اُن سے لڑی جاتی ہے جو ہوش و حواس میں ہوں، محمد [ﷺ] کے اصحاب تو دیوانے ہیں۔ دیوانوں سے جنگ نہیں لڑی جاتی۔ جو لوگ اپنے آقا کے جسم سے لگنے والے پانی کو زمین پر گرنے نہیں دیتے'' وہ اُن کے خون کو کیسے گرنے دیں گے''؟ خیریت چاہتے ہو تو اُن سے صلح کرلو، اگر تم نے اُن سے جنگ کی تو تباہ و برباد ہو جاؤ گے!
- عروہ بن مسعود کے بعد تحقیق کے لیے قریش نے مزید چند لوگوں کو بھیجا۔ بالآخر اُنھوں نے یہی فیصلہ کیا کہ چند شرائط کے ساتھ محمد [ﷺ] سے صلح کر لی جائے۔ اِسی تاریخی صلح کو ''صلحِ حدیبیہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

صلحِ حدیبیہ کی شرطیں:

وہ ''شرائط'' یہ ہیں:

- فریقین [قریش اور مسلمانوں] کے درمیان دس سال تک کوئی جنگ نہیں ہوگی۔
- مسلمان اِس سال عمرہ کیے بغیر واپس چلے جائیں، آئندہ سال آئیں اور صرف تین دن مکہ میں ٹھہر کر واپس چلے جائیں۔
- تلوار کے سوا کوئی ہتھیار نہ لائیں، تلوار بھی نیام میں اور نیام تھیلے میں بند ہو۔
- جو مسلمان مکہ میں مقیم ہیں اُنھیں اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور جو مسلمان مکہ میں رہنا چاہیں اُنھیں نہ روکیں۔
- اگر کوئی مسلمان یا کافر مدینہ چلا جائے گا تو اُسے واپس کرنا ہوگا؛ لیکن اگر کوئی مسلمان مدینہ سے مکہ چلا جائے گا تو واپس نہیں کیا جائے گا۔

- عرب کے قبیلوں کو اختیار ہوگا کہ وہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں دوستی کا معاہدہ کرلیں۔ [1]

صلحِ حدیبیہ کے یہ شرطیں اگر چہ بظاہر **مسلمانوں کے خلاف** تھیں، اِسی لیے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو اِن سے سخت نا گواری ہورہی تھی؛ مگر غیب داں نبی حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی نگاہِ نبوت سے دیکھ رہے تھے کہ یہ **صلح اسلام کی ترویج واشاعت کا زبردست پیش خیمہ ثابت ہوگی**۔ اور ہوا بھی یہی کہ اِس معاہدے کے بعد لوگ بڑی تیزی کے ساتھ دامنِ اسلام سے وابستہ ہونے لگے۔ اِسی لیے قرآنِ مجید نے اِس صلح کو **"فتحِ مبین"** قرار دیا اور فرمایا:

- **اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ۙ** ۔ترجمہ: اے حبیب! بے شک ہم نے آپ کو فتحِ مبین عطا کی۔ [2]

صلحِ حدیبیہ کی برکتیں:

یہ عظیم الشان صلح بالآخر تمام **فتوحات اور ترقیوں** کی کنجی ثابت ہوئی؛ کیوں کہ اِس صلح سے پہلے مسلمان اور کافر ایک دوسرے سے الگ تھلک رہتے تھے، جس کے سبب کافروں کو مسلمانوں کی باتیں سننے کا موقع ہی نہیں مل پاتا تھا۔ بعض کافر مسلمانوں سے ملنا یا دامنِ اسلام سے وابستہ ہونا چاہتے تھے؛ مگر قریش کی دہشت کی وجہ سے وہ ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ جب صلح ہوگئی تو کافروں کو کُھل کر مسلمانوں سے ملنے، اُن سے تبادلۂ خیال کرنے، اُن کی اسلامی تہذیب کو سمجھنے، قرآنِ مجید پڑھنے، گہرائی سے اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرنے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی **"خوبیوں"** کو جاننے کا بھرپور موقع مِلا۔ چناں چہ بت پرست اسلام کی طرف کھنچنے لگے اور عرب کے مختلف قبیلے بہت بڑی تعداد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی میں داخل ہوئے۔

---

۱ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص: ۲۸۱ تا ۲۸۳۔ وضیاء النبی، ج: ۴، ص: ۱۴۷-۱۴۸]

۲ [سورۂ فتح، آیت نمبر: ۱]

❁ فاتحِ شام حضرت سیدنا خالد بن ولید اور فاتحِ مصر حضرت سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی اُسی زمانے میں خود بخود مکۂ معظّمہ سے چل کر مدینۂ منورہ آئے اور دامنِ اسلام سے وابستہ ہوئے۔ [1]

ایک ایمان اَفروز واقعہ:

جب ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' اور قریش کے نمائندے ''سہیل'' کے درمیان چند شرطوں پر اتفاق ہو گیا تو ہمارے آقا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرتِ سیدنا مولا علی رضی اللہ تعالیٰ سے فرمایا: لکھو! هٰذَا مَا اصْطَلَحَ عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔ ترجمہ: یہ وہ ہے جن پر قریش کے ساتھ محمد رسول اللہ نے صلح کی ہے۔

یہ دیکھ سہیل بھڑک اُٹھا اور بولا:

اگر ہم جان لیتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو نہ ہم آپ کو بیت اللہ سے روکتے اور نہ ہی آپ سے جنگ کرتے۔ لہٰذا ''محمد رسول اللہ'' کے بجائے **''محمد بن عبداللہ''** لکھوائیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خدا کی قسم مَیں **''محمد رسول اللہ''** اور **''محمد بن عبداللہ''** دونوں ہوں، اگر چہ تم مجھے رسول نہیں مانتے۔ پھر آپ نے حضرت علی سے کہا: اے علی! **''محمد رسول اللہ''** کو مٹا کر اُس کی جگہ **''محمد بن عبداللہ''** لکھ دو!

حضرت علی سے زیادہ کون مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وفادار ہوسکتا ہے؟؛ لیکن محبت کے عالَم میں کبھی کبھی ایسا مقام آجاتا ہے کہ سچی محبت کرنے والا، محبت کے جذبات سے سرشار ہو کر، اپنے محبوب کی بات ماننے سے انکار کر دیتا ہے۔ محبتِ رسول کا یہی جذبۂ کامل یہاں بھی کارفرما نظر آتا ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرتِ علی سے **''محمد رسول اللہ''** مٹا کر **''محمد بن عبداللہ''** لکھنے کے لیے کہا تو حضرت علی نے عرض کیا:

---

[1] [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص:۲۸۶]

- یا رسول اللہ! میری جان جائے تو چلی جائے ؛لیکن مَیں ہرگز ہرگز آپ کے نامِ اقدس کو اپنے ہاتھوں سے نہیں مٹاؤں گا ۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود ہی **''رسول اللہ''** کا لفظ مٹا کر **''محمد بن عبداللہ''** لکھ دیا۔اور علی کے اِس اندازِ محبت کو پسند فرمایا۔[۱]

سلاطینِ عالَم کو اسلام کی دعوت:

چوں کہ حضور رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ رب العزت نے صرف عرب کے لیے نہیں ؛ بلکہ پورے عالَم کے لیے نبی بنا کر بھیجا ہے ۔ اِس لیے سن چھ ہجری میں **صلح حدیبیہ کے بعد** جب جنگ و جدال کے خطرات ٹل گئے اور ہر طرف اَمن و امان کی فضا قائم ہوگئ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دنیا کے تمام انسانوں تک **اسلام کا پیغام** پہنچانے کا ارادہ فرمایا۔اِس مبارَک اِرادے کی تکمیل کے لیے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے روم کے بادشاہ ''قَیصَر'' فارِس کے بادشاہ '' کِسریٰ'' حبشہ کے بادشاہ ''نَجَاشی'' مصر کے بادشاہ ''عَزِیز'' اور عرب وعجم کے دوسرے بادشاہوں کے نام خطوط لکھے اور اُن کے سامنے اسلام کی دعوت پیش فرمائی ۔

خطوط لے جانے والے صحابۂ کرام کی فہرست تو کافی طویل ہے ؛ البتہ دعوتِ اسلام کے خطوط لکھوا کر، اپنی مہر لگا کر جن چھ قاصدوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مختلف بادشاہوں کے دربار میں بھیجا، اُن کے نام یہ ہیں:

- حضرت دِحُیہ کلبی رضی اللہ عنہ،قیصرِ روم کے دربار میں گئے ۔
- حضرت عبداللہ بن حُذافہ رضی اللہ عنہ،شاہِ ایران کے دربار میں پہنچے ۔
- حضرت حاطِب رضی اللہ عنہ نے عزیزِ مصر کے دربار کا قصد کیا۔
- حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ،سلطانِ حبشہ کے دربار میں گئے ۔
- حضرت سَلِیط بن عمرو رضی اللہ عنہ ،بادشاہِ یمامہ کے دربار میں تشریف لے گئے ۔

---

۱ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ،ص:۲۸۲]

حضرت شُجَاع بن وَہَب رضی اللہ عنہ، والیِ غَسَّان کے دربار میں تشریف لے گئے۔[۱]

قیصرِ روم کی عقیدت:

جب حضرتِ دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خط لے کر قیصرِ روم ''ہِرَقْل'' کے دربار میں پہنچے، تو اُس کے سامنے آقائے دو عالَم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا گرامی نامہ پیش کر دیا، جب ہرقل نے والا نامہ پڑھا تو جلالِ نبوت سے خوف کے مارے پسینہ پسینہ ہو گیا۔ چناں چہ اُس نے **قریش کے کسی آدمی** کو تلاش کر کے اپنے دربار میں حاضر کرنے کا حکم دیا۔ اُس وقت **''ابوسفیان''** تجارتی قافلے کے ساتھ وہیں موجود تھے۔ اُنھیں قیصر کے پاس لایا گیا۔ قیصر نے ابوسفیان سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے **حسب ونسب، عادت وخصلت، وصف وکمال، تعلیم وتربیت اور دعویٰ نبوت ورسالت** سے متعلق چند سوالات کیے۔ ابوسفیان نے مجبوراً سب کے صحیح جوابات دیے۔ ابوسفیان کے جوابات سن کر **''قیصرِ روم''** نے بے ساختہ کہا:

''اگر تمھاری باتیں صحیح ہیں تو سن لو! وہ عن قریب اِس جگہ کے مالک ہو جائیں گے جہاں اِس وقت میرے قدم ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ ایک رسول مبعوث ہونے والے ہیں؛ مگر میرا یہ گمان نہ تھا کہ وہ رسولِ مکرَّم عربوں میں سے ہوں گے۔ اگر مَیں اُن کے پاس ہوتا تو اُن کے قدمِ ناز کو دھونا باعثِ صد اِفتخار سمجھتا''۔ اِس کے بعد اُس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا **''نامۂ مبارَک''** [دوبارہ] پڑھوا کر سننے کی سعادت حاصل کی۔[۲]

قیصر **''توریت وانجیل''** کا زبردست عالِم تھا، اُسے پتا تھا کہ اللہ عزوجل کے آخری پیغمبر تشریف لانے والے ہیں۔ ابوسفیان کی زبان سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اوصاف وکمالات سننے کے بعد اُس کے دل میں ہدایت کا چراغ روشن ہو گیا تھا؛ مگر حکومت کی ہَوَس کی آندھیوں نے اُس چراغ کو

---

۱ [ملخصاً از ضیاء النبی، ج:۴، ص:۱۸۰]

۲ [ملخصاً از ضیاء النبی، ج:۴، ص:۱۸۷ تا ۱۹۰]

بجھا دیا اور وہ بدقسمت اسلام کی دولت سے محروم رہا۔[1]

جو خط روم کے بادشاہ کے پاس تشریف لے گیا تھا، حصولِ برکت کے لیے ہم اُس کا ''ترجمہ'' پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔اللہ کے بندے اور اُس کے رسول **محمد** [صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] کی طرف سے یہ خط **روم کے بادشاہ ہرقل** کے نام ہے۔ اُس شخص پر سلامتی ہو جو ہدایت کا پیرو کار رہے۔

اَمَّا بَعۡدُ ! میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ مسلمان ہو جاؤ! سلامت رہو گے اور خدا تم کو دوگنا اجر دے گا۔ اور اگر تم نے رُوگردانی کی، تو تمھاری تمام رِعَایا کا گناہ تم پر ہوگا۔ اے اہلِ کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ! جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور ہم میں سے بعض لوگ دوسرے بعض لوگوں کو خدا نہ بنائیں۔ اور اگر تم نہیں مانتے تو گواہ ہو جاؤ کہ ہم مسلمان ہیں۔ سبحان اللہ ![2]

شاہِ ایران کی گستاخی:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط ملنے کے بعد بد دماغ شاہِ ایران ''خسرو پرویز'' نے شدید گستاخی کا ارتکاب کیا اور حکومت کے نشے میں چور ہو کر، نہایت غرور کے ساتھ بولا:

''میرا ایک غلام مجھے اِس قسم کا خط لکھنے کی جسارت کرتا ہے''!

یہ کہہ کر اُس بد بخت نے نہ صرف یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو ٹھکرا دیا؛ بلکہ مقدس خط کو بھی پھاڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا اور زمین پر پھینک دیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُس کی گستاخی کی اطلاع ملی تو آپ کی زبانِ اَقدس سے یہ کلمات جاری ہوئے:

''اُس بد بخت نے میرے خط کے ٹکڑے کیے، خدا اُس کی حکومت کے ٹکڑے کر دے''۔

---

۱ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص: ۲۸۹ تا ۲۹۵]

۲ [سیرتِ مصطفیٰ، ص: ۲۹۴]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ دعا بابِ اِجابت سے ٹکرائی اور ''خسرو پرویز'' کو خود اُس کے ''بیٹے'' نے چیر پھاڑ کر ہلاک کر دیا۔ اُس کے بعد اُس کی حکومت کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہوگئی، یہاں تک کہ حضرتِ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دَورِ خلافت میں اُس کی حکومت کا نام ونشان تک مِٹ گیا۔[1]

شاہِ حبشہ کی خوش بختی:

سن چھ ہجری میں حبشہ کے جس بادشاہ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعوتِ اسلام کا خط روانہ کیا تھا، وہ سچے دل سے ''کلمۂ پاک'' پڑھ کر مسلمان ہو گئے تھے اور سن نَو ہجری میں جب اُن کا انتقال ہوا تو آقاے دو عالَم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بذاتِ خود مدینۂ منورہ میں اُن کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھائی۔

اُن کے بعد حبشہ کے تخت پر جو ''نجاشی'' بیٹھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس کے پاس بھی دعوتِ اسلام کا خط روانہ فرمایا تھا؛ مگر اُس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوسکا کہ اُس نے اسلام قبول کیا تھا یا نہیں۔ مشہور ہے کہ یہ دونوں مقدس خطوط اب بھی حبشہ کے بادشاہوں کے پاس محفوظ ہیں اور وہ لوگ اُن کا بے حد ادب واحترام کرتے ہیں۔[2]

شاہِ مصر کا حسنِ اَخلاق:

مصر کے بادشاہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پاکیزہ خط پا کر خوش اَخلاقی کا اظہار کیا۔ وہ اگرچہ مسلمان نہ ہوا؛ لیکن اُس نے بڑی عقیدت واحترام کا مظاہرہ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قاصد ''حضرت حاطب بن ابو بلتعہ'' کے ساتھ بڑے حسنِ اخلاق کے ساتھ پیش آیا، نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے اُس نے گراں قدر تحفے بھی روانہ کیے۔ اُن تحفوں میں ''ایک ہزار مثقال سونا، ایک غلام، کچھ شہد، کچھ کپڑوں'' کے ساتھ ''ماریہ قبطیہ'' اور ''سیرین'' نامی دو باندیاں بھی بھیجیں۔ یہ وہی ''ماریہ قبطیہ'' ہیں

---

۱ [الصحیح للامام البخاری، ج:۱، ص:۱۱۴۱، ملخصاً]

۲ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص: ۲۹۵ تا ۲۹۶]

جو آقاے دو جہاں ﷺ کے حرم میں داخل ہوئیں اور اُن سے حضور ﷺ کے سب سے چھوٹے فرزند **"حضرت سیدنا ابراہیم"** رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔[1]

اِن کے علاوہ اور بھی کئی بادشاہوں کے پاس سرورِ عالَم ﷺ نے دعوتی خطوط روانہ کیے، اُن میں بعض نے انکار کیا، جب کہ بعض، مسلمان ہوکر دارین کی سعادتوں سے بہرہ مند ہوئے۔

گستاخِ رسول ابورافع یہودی کا قتل:

گستاخِ رسول **"ابورافع یہودی"** کا نام **"عبداللہ بن ابوالحقیق"** تھا، یہ بہت ہی مال دار تاجر تھا۔ اسلام کا سخت دشمن اور آقاے کریم ﷺ کا بدترین گستاخ تھا۔ یہ بد بخت اسلام کو مٹانے، مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے اور حضور ﷺ کو تکلیف پہنچانے کے لیے طرح طرح کی سازشیں کرتا رہتا تھا۔

اِس لیے حضور رحمتِ عالَم ﷺ کے غلاموں کی یہ دیرینہ خواہش تھی کہ **"کعب بن اشرف یہودی"** کی طرح **"ابورافع یہودی"** کو بھی واصلِ جہنم کیا جائے؛ تاکہ مسلمانوں کو اُس کی سازشوں سے نجات مل جائے۔ چناں چہ یہ سعادت انصار کے عظیم الشان قبیلہ **"قبیلۂ خزرج"** کے حصے میں آئی۔

دراصل انصار کے دونوں قبیلوں **"اَوس و خزرج"** کے مابین نیکیوں میں بڑی رسّا کشی جاری رہتی تھی اور دونوں قبیلے حضور ﷺ کی **"غلامی کا حق ادا کرنے"** میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ چوں کہ دینِ اسلام کے ایک کٹر دشمن **"کعب بن اشرف یہودی"** کو **"قبیلۂ اوس"** کے جاں بازوں نے قتل کر کے ڈھیروں اجر و ثواب کمایا تھا، اِس لیے **"قبیلۂ خزرج"** کے مجاہدین کی دلی خواہش ہوئی کہ حضور ﷺ کے دوسرے جانی دشمن **"ابورافع یہودی"**

---

[1] [ملخصاً از مدارج النبوۃ، مترجم، ج:۲، ص:۲۸۱-۲۸۲]

کو قتل کرنے کا اجر و ثواب اُن کی جھولی میں آئے۔

چناں چہ اِس خواہش کی تکمیل کے لیے **''حضرت عبد اللہ بن عتیک''** اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ حضور جانِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے اور **''ابو رافع''** کو قتل کرنے کی اجازت چاہی۔ حضور شاہِ موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِس شرط کے ساتھ اجازت دے دی کہ عورتوں اور بچوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ عبد اللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ ابو رافع یہودی کے محل کے پاس آ کر اپنے ساتھیوں سے فرماتے ہیں کہ تم لوگ یہیں بیٹھ کر میرا انتظار کرو! مَیں اندر جا کر اُس کا کام تمام کر کے آتا ہوں۔

حضرتِ عبد اللہ رضی اللہ عنہ خفیہ تدبیروں سے **اُس مردود** کے محل میں داخل ہو کر اُس کے **ناپاک بستر** کے بالکل قریب پہنچ جاتے ہیں اور موقع پاتے ہی رات کے سنّاٹے میں اُسے قتل کر کے زمین کو اُس کے ناپاک وجود سے پاک کر دیتے ہیں۔ اُس کے قتل ہو جانے سے اسلام ہمیشہ کے لیے **''اُس کی سازشوں''** سے محفوظ ہو گیا۔

حضرت عبد اللہ بن عتیک جب محل سے نکلنے لگے تو سیڑھی سے گر پڑے، جس کے سبب **اُن کے پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی**؛ لیکن آپ گھبرائے نہیں؛ بلکہ فوراً پیر کو اپنی پگڑی سے باندھ کر تیزی کے ساتھ محل کے دروازے تک پہنچ گئے اور پھر اپنے ساتھیوں کی مدد سے مدینۂ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں حاضر ہو گئے۔[1]

حضرتِ عبد اللہ بن عتیک آغوشِ کرم میں:

جب آپ بارگاہِ رسالت میں پہنچے اور **''ابو رافع یہودی''** کو ہلاک کرنے کی خوش خبری سنائی اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ اِس کام کو انجام دینے میں اُن کے پیر کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے تو کائنات کے طبیب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] [الصحیح للامام البخاری، باب قتل النائم المشرک، رقم الحدیث: ۳۰۲۲، ملخصاً]

''اے عبداللہ! اپنا ٹوٹا ہوا پیر پھیلاؤ''![1]

اُنھوں نے پاؤں پھیلایا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس پر اپنا دستِ شفا پھیر دیا، ہاتھ لگتے ہی ٹوٹی ہوئی ہڈی جڑ گئی اور اُن کا پیر بالکل صحیح و سالم ہو گیا۔ ڈھیروں دعاؤں سے نوازنے کے ساتھ، آقاے کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے غلام کا ٹوٹا ہوا پیر بھی درست فرما دیا۔ **سبحان اللہ!**

اُن کے نثار! کوئی کیسے ہی رنج میں ہو جب یاد آ گئے ہیں سب غم بھلا دیے ہیں

غزوۂ خیبر:

اِس بات پر تو تمام مؤرِّخین کا اتفاق ہے کہ غزوۂ خیبر محرم الحرام کے مہینے میں پیش آیا؛ مگر کس سن میں پیش آیا؟ اِس میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ سن چھ ہجری میں پیش آیا جب کہ بعض نے سن سات ہجری کا دعویٰ کیا ہے۔[2]

''خیبر'' ایک شہر ہے، جو مدینۂ منورہ سے تقریباً تین سَو بیس کیلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ عرب کے یہودیوں کا سب سے بڑا ''ہیڈ کوارٹر'' یہی تھا۔ یہ علاقہ بڑا زرخیز تھا، یہاں بڑی عمدہ قسم کی کھجوریں بہت بڑی تعداد میں پیدا ہوتی تھی۔ خیبر کے یہودی عرب میں سب سے زیادہ مال دار اور جنگ جو تھے۔

یہ لوگ اسلام کے بدترین دشمن تھے، اُنھیں اپنی طاقت وقوت پر بڑا ناز تھا۔ یہودیوں نے خیبر میں **آٹھ نہایت شان دار اور مضبوط قلعے** بَنا رکھے تھے۔ دراصل اُنھی آٹھوں قلعوں کا مجموعہ ''خیبر'' کہلاتا تھا۔[3]

---

۱ [الصحیح للامام البخاری، باب قتل ابی رافع عبداللہ بن ابی حقیق، رقم الحدیث: ۴۰۳۹]

۲ [ملخصاً از مدارج النبوۃ مترجم، ج: ۲، ص: ۲۸۹]

۳ [ملخصاً از ضیاء النبی، ج: ۴، ص: ۲۲۷]

جنگِ خیبر کا سبب:

یہودی در اصل مسلمانوں کے اَزَلی دشمن ہیں۔ مسلمانوں کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کرنے کے بعد بھی اُن کے سینوں کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوئی؛ بلکہ ہر محاذ پر شکست کا منہ دیکھنے کے بعد اُن کے سینوں میں دشمنی کی آگ اور زیادہ بھڑکنے لگی اور اُنھوں نے **"مدینۂ منورہ"** پر **"غزوۂ خندق"** سے بڑا حملہ کرنے کی تیاریاں زور وشور سے شروع کر دیں۔ اپنے اِس ناپاک منصوبے کی تکمیل کے لیے اُن خبیثوں نے عرب کے نہایت طاقت ور اور جنگ جو قبیلہ **"غَطْفَان"** کو شامل کر لیا۔ اِن دونوں نے مِل کر مدینہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کو تہس نہس کرنے کا پلان بنالیا۔ اُن کی یہ خطرناک تیاریاں **"جنگِ خیبر"** کا پیش خیمہ ثابت ہوئیں۔

مسلمانوں کی تیاری:

جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ خیبر کے یہودی، قبیلۂ غطفان کی فوج کے ساتھ مِل کر مدینۂ منورہ پر حملہ کرنے والے ہیں تو آپ اُن کے حملے کو روکنے اور اُنھیں ذلت کا مزہ چکھانے کے لیے **سولہ سَو صحابۂ کرام کو لے کر خیبر کی جانب روانہ ہوئے۔**

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے وقت اپنی فوج کے ساتھ خیبر پہنچ گئے اور نمازِ فجر کے بعد شہر میں داخل ہوئے۔ کھیتوں میں کام کرنے والے یہودیوں نے جب اسلامی لشکر دیکھا تو اُن کے پیروں تلے زمین کھسک گئی اور وہ زور زور سے چیخنے لگے کہ **"خدا کی قسم! محمد [صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] اپنے لشکر کے ساتھ آ گئے ہیں"**۔ اُس وقت ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبانِ اقدس سے ارشاد فرمایا:

"خیبر برباد ہوگیا، بلاشبہ جب ہم کسی قوم کے میدان میں اُتر پڑتے ہیں تو کافروں کی صبح بُری ہو جاتی ہے"۔[1]

---

[1] [الصحیح للامام البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۂ خیبر، رقم الحدیث: ۴۱۹۷]

یہودیوں کی تیاری:

جب یہودیوں کوحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی اطلاع ملی تو اُنھوں نے بھی **تیاریاں** شروع کر دیں۔سب سے پہلے اُنھوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو ایک مضبوط قلعے میں محفوظ کیا، پھر کھانے اور پینے کے سامان ''ناعم'' نامی قلعہ میں جمع کیا، اُس کے بعد اپنے بیس ہزار کے لشکرِ جرار کوئی قلعوں میں اکٹھا کرکے آمادۂ جنگ ہوئے۔اُن کا سب سے مضبوط قلعہ ''قموص'' تھا۔ایک ہزار سپاہیوں کے برابر مانا جانے والا **''یہودی پہلوان مرحّب''** اِسی قلعے کا سردار تھا۔[1]

جنگ کی ابتدا:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ، سب سے پہلے ''قلعۂ ناعم'' پر حملہ آور ہوئے اور یہاں کے یہودیوں سے خوب جم کر لڑے۔''حضرتِ **محمود بن مسلمہ**'' نے بڑی بہادری کے ساتھ جنگ لڑی؛ مگر ایک یہودی نے قلعہ کی چھت سے اُن کے سر پر ایک بڑا پتھر پھینک کر اُنھیں شہید کر دیا۔اِس جنگ میں پچاس مسلمان زخمی ہوئے؛ مگر بالآخر ''**ناعم**'' فتح ہوگیا۔ناعم کے بعد دوسرے قلعے بھی آسانی کے ساتھ فتح ہوتے گئے اور جاں باز مجاہدینِ اسلام کے سامنے یہودیوں کی بزدل فوج ٹِک نہ سکی۔

فاتحِ خیبر:

خیبر کا سب سے مضبوط قلعہ ''قموص'' تھا، یہاں یہودیوں کی فوجیں بھی بہت زیادہ تھیں اور یہودیوں کا سب سے بڑا پہلوان ''مُرَحَّبْ'' بذاتِ خود اِس قلعہ کی حفاظت کر رہا تھا۔اِن اسباب کی بنا پر قموص کو فتح کرنا آسان کام نہ تھا۔اِسے فتح کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے **''حضرت سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں''** لشکر بھیجا، یہ حضرات بڑی جاں بازی اور دلیری کے ساتھ لڑتے رہے؛ مگر یہودیوں نے قلعے کی دیواروں سے ایسی تیراندازی اور سنگ باری

---

[1] [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص:۳۰۵-۳۰۶]

کی کہ مسلمان قلعہ تک نہیں پہنچ سکے اور رات ہوگئی۔

دوسرے دن آقائے دو عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے **حضرت عمر فاروقِ اعظم** کی **قیادت میں لشکر** بھیجا، اِن حضرات نے بھی بڑی شجاعت وگرم جوشی کے ساتھ حملہ کیا؛ مگر رات تک قلعہ فتح نہیں ہوسکا۔ قلعہ بھلا کیسے فتح ہوتا؟ ''**فاتحِ خیبر**'' ہونا تو کسی اور کا مقدّر تھا۔ چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''کل مَیں اُس شخص کو جھنڈا دوں گا جس کے ذریعے اللہ ربُّ العزت ہمیں فتح سے سرفراز فرمائے گا۔ وہ شخص اللہ ورسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ ورسول بھی اُس سے محبت کرتے ہیں''۔[1] (عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

یہ بشارت سُن کر صحابۂ کرام نے بڑے اِضطراب کے ساتھ رات گزاری، ہر ایک کی یہ آرزو تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسے جھنڈا عطا فرمائیں؛ کیوں کہ جس کو جھنڈا ملے گا اُس کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بشارتیں دی تھیں۔

[۱] وہ اللہ اور اُس کے رسول کا عاشق ہے۔

[۲] وہ اللہ ورسول کا محبوب ہے۔

[۳] خیبر اُس کے ہاتھ سے فتح ہوگا۔

اس لیے سبھی صحابۂ کرام اِس عظیم الشان نعمت سے سرفراز ہونے کے لیے **''ماہیِ بے آب کی طرح''** تڑپ رہے تھے۔[2]

مگر یہ دولتِ گراں مایہ ''**حضرت علی شیرِ خدا**'' رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں آئی۔ چناں چہ صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علی کہاں ہیں؟ لوگوں نے کہا: حضور! علی کو آشوبِ چشم لاحق ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا: اُنھیں بلایا جائے۔ علی آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کی دکھتی آنکھوں میں

---

۱ [الصحیح للامام البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر، رقم الحدیث:۴۲۰۹]

۲ [ملخصاً از ضیاء النبی، ج:۴، ص:۲۲۹]

اپنا ''**لعابِ دہن**'' ڈال دیا۔لعابِ دہن لگتے ہی اُن کی آنکھیں ایسی صحیح ہوگئیں گویا کہ اُنھیں کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں اپنا ''عَلَمِ نَبَوِی'' عطا فرما کر دعاؤں سے نوازا اور یہ تنبیہ فرمائی:

۞ **''تم سکون و اطمینان کے ساتھ جا کر یہودیوں کو اسلام کی دعوت دو اور اُنھیں اِسلامی حقوق سے آگاہ کرو! خدا کی قسم! تمھاری کوشش سے اگر ایک شخص بھی مسلمان ہو گیا تو یہ تمھارے لیے سُرخ اونٹوں سے بہتر ہے''۔** [۱]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جا کر یہودیوں کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی؛ مگر انھوں نے اُس دعوت کا جواب **اینٹ اور پتھر** سے دیا اور اُن کا سب سے بڑا پہلوان ''مرحب'' بڑے طنطنہ کے ساتھ، ہتھیار سے لیس ہو کر ''**شیرِ خدا**'' سے مقابلہ کرنے آیا اور بڑے طمطراق سے آگے بڑھ کر شیرِ خدا پر وار کیا۔شیرِ خدا نے اُس کا وار روک کر، اُس کے سر پر اِس زور کی تلوار ماری کہ ذوالفقار حیدری ''خَود'' [لوہے کے ہیلمیٹ] کو کاٹتے اور سر کو چیرتے ہوئے دانتوں تک اُتر گئی، مرحب کا سارا غرور خاک میں مِلا اور وہ بدبخت وہیں زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ [۲]

۞ مرحب کو مرتا دیکھ کر یہودیوں کی پوری فوج مَولا علی پر ٹوٹ پڑی؛ مگر ذوالفقارِ حیدری نے **اُن کی صفوں کی صفیں اُلَٹ دیں اور بڑے بڑے سورماؤں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا**۔لڑتے لڑتے حضرت علی کی ڈھال کٹ گئی تو آپ نے ''**قموص کا پھاٹک**'' اُکھاڑ کر، بائیں ہاتھ میں لے کر اُسے ڈھال بنالیا اور اُس سے دشمنوں کے حملے روکتے رہے۔

یہ پھاٹک اِتنا بھاری تھا کہ جنگ کے بعد چالیس طاقت ور آدمی بھی اُس کو ٹس سے مَس نہ کر سکے۔ بہر حال حضرت شیرِ خدا کی بے مثال شجاعت و بہادری کے سامنے یہودیوں کی فوج ٹِک

---

۱ [الصحیح للامام البخاری، کتاب لمغازی، باب غزوۃ خیبر، رقم الحدیث: ۴۲۱۰]

۲ [ملخصاً از ضیاء النبی، ج: ۴، ص: ۲۳۲]

اونٹ سے گرادیا تھا اور اُن کا حمل ساقط ہوگیا تھا۔

- اُس مجمع میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے اور اُن کے مقدس جسم کے ٹکڑے کرنے والے بھی تھے۔
- اُس مجمع میں وہ حیوان بھی تھے جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے غلاموں اور جاں نثاروں پر بے پناہ ظلم کیے تھے۔

یہ تمام مجرم بارہ ہزار کے اسلامی لشکر کی حراست [قید] میں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے روبرو کھڑے کانپ رہے تھے اور اپنے دلوں میں یہ سوچ رہے تھے کہ **"شاید آج ہماری لاشوں کو کتوں سے نچوا کر ہماری بوٹیاں چیل اور کوّوں کو کھلا دی جائیں گی اور انصار و مہاجرین کی فوجیں ہماری نسلوں کو نیست و نابود کردیں گی"**۔ دہشت اور ڈر سے اُن کے بدن کی بوٹی بوٹی پھڑک رہی تھی اور کلیجے منہ کو آگئے تھے۔ ناامیدی کی اِس خطرناک فضا میں شہنشاہِ رسالت کی نگاہِ رحمت اچانک اُن پاپیوں کی جانب متوجہ ہوئی اور آپ نے اُن سے فرمایا:

- تمھیں معلوم ہے؟ کہ آج مَیں تمھارے ساتھ کیسا سلوک کرنے والا ہوں؟ پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبانِ اقدس سے نکلنے والے اِس خوف ناک سوال سے اُن کے حواس باختہ ہو گئے اور تھرتھراتی زبان سے بولے:
- اَخٌ كَرِيْمٌ وَ ابْنُ اَخٍ كَرِيْمٍ ۔ترجمہ: آپ کرم فرمانے والے بھائی ہیں اور کرم کرنے والے باپ کے بیٹے ہیں۔ سب کی للچائی ہوئی نظریں جمالِ نبوت کا منہ تک رہی تھیں اور سب کے کان شہنشاہِ کونین کا فیصلہ کُن جواب سننے کے منتظر تھے کہ اچانک فاتحِ مکہ نے اپنے کریمانہ لہجے میں ارشاد فرمایا: لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ فَاذْهَبُوْا اَنْتُمُ الطُّلَقَآءُ۔ ترجمہ: آج تم پر ملامت بھی نہیں کی جائے گی۔ جاؤ! تم سب آزاد ہو۔
- یہ فرمانِ رسالت سن کر سب مجرموں کی آنکھیں فرطِ ندامت سے اَشک بار ہوگئیں اور

نہ سکی اور ''خیبر'' فتح ہوگیا۔ اِس جنگ میں ترانوے یہودی مارے گئے جب کہ پندرہ مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔[1]

یہودیوں کی شرارت اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حسنِ اخلاق:

حضور رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خیبر کے شکست خوردہ یہودیوں کو **مکمل امن و امان عطا فرمایا اور اُنھیں طرح طرح کی نوازشوں سے نوازا**؛ مگر یہ قوم اپنی خباثت سے باز نہ آئی اور ''زینب'' نامی ایک یہودی عورت نے گوشت میں زہر مِلا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعوت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ معجزہ تھا کہ گوشت کی بوٹی نے بتادیا کہ مجھ میں زہر مِلا ہوا ہے، چناں چہ ایک لقمہ کھا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہاتھ کھینچ لیا؛ لیکن ایک صحابی نے بھوک کی شدت کی وجہ سے پیٹ بھر کر کھالیا تھا، جس کے سبب وہ شہید ہوگئے۔

- اِتنا سب ہوجانے کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے زینب سے کچھ نہیں کہا؛ لیکن جب صحابیِ رسول شہید ہوگئے تو اُن کے قصاص میں اُسے **قتل کردیا گیا**۔[2]

جدید احکام کا نفاذ:

جنگِ خیبر کے موقع پر ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مندرجہ ذیل احکام نافذ فرمائے:

- پنجے دار پرندوں کو حرام قرار دیا۔
- تمام درندہ جانوروں کے حرام ہونے کا اعلان فرمایا۔
- گدھے اور خچر کو ناجائز و حرام قرار دیا۔
- چاندی اور سونے کو کمی وبیشی کے ساتھ خریدنے اور بیچنے سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ چاندی کو چاندی کے بدلے، نیز سونے کو سونے کے بدلے برابر برابر بیچنا ضروری ہے۔ اگر کمی

---

۱ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص ۳۱۰:-۳۱۱]

۲ [ملخصاً از ضیاء النبی، ج:۴، ص:۲۴۶-۲۶۷]

بیشی ہوگی تو وہ ''سود'' ہوگا جو کہ حرام ہے۔

فتحِ مکہ ٔمکرمہ:

''ماہِ رمضان سن ۸ ھ مطابق جنوری ۶۳۰ء'' کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے **فاتحِ اعظم کی شان و** شوکت کے ساتھ شہرِ مکہ میں نزولِ اجلال فرمایا اور کعبۃ اللہ میں داخل ہو کر اپنے سجدوں کے جمال وجلال سے خدا کے مقدس گھر کی عظمت کو سرفراز فرمایا۔[1]

فتحِ مکہ کا سبب:

حدیبیہ کے **''صلح نامہ''** میں یہ طے کیا گیا تھا کہ **''فریقین کے درمیان دس سالوں تک کوئی جنگ نہیں ہوگی اور عرب کے تمام قبیلوں کو قریش اور مسلمانوں سے معاہدہ کرنے کی کھلی آزادی حاصل ہوگی''**؛ لیکن صرف دو سالوں کے بعد **''قریش''** نے اِس معاہدہ کو توڑ دیا اور اپنے حلیف **''قبیلۂ بنوبکر''** کے ساتھ مل کر، مسلمانوں کے حلیف **''قبیلۂ بنوخزاعہ''** پر حملہ کر کے اُن کے تیس آدمیوں کو حرمِ کعبہ میں نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا۔

- یہ حملہ، قریش کی طرف سے صلحِ حدیبیہ کی کھلی مخالفت تھی، نیز بنوخزاعہ پر حملہ کرنا درحقیقت مسلمانوں پر حملہ کرنے جیسا تھا؛ کیوں کہ وہ مسلمانوں کے حلیف [اُن کے ساتھ عہد و پیمان کرنے والے] تھے۔ اِس حادثے کے بعد قبیلۂ بنوخزاعہ کے سردار عمرو بن سالم چالیس آدمیوں کے ساتھ فریاد کرنے اور مدد طلب کرنے کے لیے مدینۂ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ اِس واقعے کے بعد اہلِ مکہ کے سامنے ہتھیار اٹھانا اور مکۂ مکرمہ کو فتح کرنا نہایت ضروری ہو گیا۔[2]
- اِس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفارِ مکہ پر فوراً حملہ نہیں کیا؛ بلکہ آپ نے قریش کے پاس اپنا ایک قاصد بھیج کر اُن کے سامنے یہ تین شرطیں پیش فرمائیں۔

---

۱ [ملخصاً از مدارج النبوۃ، ج:۲، ص:۲۷۳]

۲ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص:۳۲۷-۳۲۸۔ومدارج النبوۃ مترجم، ج:۲، ص:۲۳۸-۲۳۹]

[۱] قریش، بنوخزاعہ کے مقتولوں کا خون بہا ادا کریں۔

[۲] یا قبیلۂ بنوبکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔

[۳] یا پھر یہ اعلان کر دیں کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

اور فرمایا کہ قریش اِن تینوں شرطوں میں سے جو شرط چاہیں منظور کر لیں۔

یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امن پسندی تھی کہ ایسے سنگین حالات میں بھی آپ نے حتّی الامکان جنگ ٹالنے کی کوشش کی؛ مگر قریش نے نہایت سختی کے ساتھ یہ جواب دیا کہ نہ ہم خون بہا ادا کریں گے اور نہ ہی بنوبکر کا ساتھ چھوڑیں گے، ہاں ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا ہے [تمھیں جو کرنا ہو کر لو]۔

اُس کے بعد آقاے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انتہائی خاموشی اور راز داری کے ساتھ مسلمانوں اور اپنے حلیف قبیلوں کو جنگ کی تیاری کرنے کا حکم دیا اور امُّ المومنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ کو جنگ کے ہتھیار نکالنے کا حکم دیا؛ مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کسی سے یہ نہیں بتایا کہ جنگ کس سے کرنی ہے۔ مقصد یہ تھا کہ اہلِ مکہ کو مسلمانوں کی تیاری کی خبر نہ ہونے پائے اور اُن پر اچانک حملہ کر دیا جائے۔[۱]

حضور رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدینۂ منورہ سے روانگی:

چناں چہ ۱۰؍رمضان ۸ھ کو حضور رحمتِ عالَم، فخرِ بنی آدم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ''دس ہزار'' کا لشکرِ پُر اَنوار ساتھ لے کر مکۂ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے؛ لیکن وہاں پہنچتے پہنچتے اِس لشکر کی تعداد بڑھ کر بارہ ہزار ہو گئی۔ مدینۂ منورہ سے چلتے وقت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور تمام صحابۂ کرام روزے سے تھے؛ مگر ''مقامِ کدید'' میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تمام صحابہ کو روزہ چھوڑنے کا حکم فرمایا۔ چناں چہ سفر اور جہاد میں

---

۱ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص: ۴۳۳]

ہونے کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے روزہ رکھنا موقوف کر دیا۔[1]

راستے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ، اپنے بھائی حارث بن عبد المطلب کے بیٹے **''ابوسفیان بن حارث''** اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی **''عبداللہ بن ابو امیہ''** کو لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے؛ مگر آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِن دونوں سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا؛ کیوں کہ اِنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت زیادہ اِیذائیں پہنچائی تھیں، خصوصاً ابوسفیان بن حارث نے تو آپ کی شانِ اقدس میں سخت ترین گستاخیاں کی تھیں، جن سے آپ کا دل انتہائی زخمی تھا۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِنھیں اپنی بارگاہ میں آنے کی اجازت نہیں دی تو اُن دونوں نے حضرت ام المومنین ام سلمہ اور شیرِ خدا مولا علی رضی اللہ عنہما کی بارگاہ میں آکر سفارش کرنے کی درخواست کی۔ اِن دونوں کی پرزور سفارش سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رحمت بھرے دل میں عفو و درگزر کے سمندر موجیں مارنے لگے اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِنھیں معافی کا پروانہ عطا فرماتے ہوئے اپنی زبانِ اقدس سے یہ جملے ارشاد فرمائے:

''جاؤ! آج تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہے، اللہ تمھیں معاف کرے، وہ ارحم الراحمین ہے''۔ سبحان اللہ![2]

اسلامی لشکر کا جاہ وجلال:

فتحِ مکہ کے موقع پر اِسلامی لشکر کا جاہ وجلال ''قابلِ دید'' تھا۔ مجاہدینِ اسلام کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر دیکھ کر کفارِ مکہ کے **کلیجے خوف و دہشت سے پھٹے جا رہے تھے**۔ لشکرِ اسلام ایسی نرالی آن بان سے چلا جا رہا تھا کہ دیکھنے والوں کے دل دہل رہے تھے اور بڑے بڑے سورماؤں کے پتّے

---

[1] [ملخصاً من شرح الزرقانی علی المواہب، ج:۲، ص:۳۰۰]

[2] [ملخصاً از مدارج النبوۃ مترجم، ج:۲، ص:۳۴۲]

پانی ہوئے جارہے تھے۔ ''اللہ اکبر'' کی پُرجلال صداؤں سے مکۂ مکرمہ کے گلی کوچے منوّر ہورہے تھے۔

یہ وہی مکہ ہے جہاں کے ظالم کافروں نے مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے تھے، اِس لیے بعض مسلمانوں نے جوشِ انتقام میں یہ نعرہ لگانا شروع کردیا "اَلْيَوْمُ يَوْمُ الْمَلْحَمَةِ" یعنی آج کافروں کی بوٹیاں بنانے کا دن ہے۔ یہ نعرہ سن کر کفار ومشرکین انتہائی خوف زدہ ہوگئے، حضور رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا: یوں نہ کہو؛ بلکہ یوں کہو! ''اَلْيَوْمُ يَوْمُ الْمَرْحَمَةِ'' آج معاف کرنے کا دن ہے۔ زبانِ رسالت سے یہ تسلی بخش الفاظ سن کر کفارِ مکہ کے کلیجے ٹھنڈے ہو گئے۔

مکۂ مکرمہ میں تاجدارِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا فرمان:

بانیِ کعبہ کے جانشیں حضور رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت شان وشوکت کے ساتھ مکۂ مکرمہ میں نزولِ اِجلال فرما کر سب سے پہلے جو فرمان صادر کیا اُس کے لفظ لفظ سے رحمتوں کے دریا موجیں مار رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

- جو شخص ہتھیار ڈال دے اُس کے لیے اَمان ہے۔
- جو شخص اپنا دروازہ بند کرلے اُس کے لیے بھی امان ہے۔
- جو کعبہ میں داخل ہوجائے اُس کے لیے امان ہے۔
- جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے اُس کے لیے امان ہے۔

مختارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سادگی:

اِس کے بعد سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی کی بہن **''اُمِّ ہانی بنت ابو طالب''** کے مکان پر تشریف لائے، غسل فرمایا اور آٹھ رکعت نمازِ چاشت پڑھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطالبے پر

حضرت اُمِّ ہانی نے **نمک اور سِرکہ کے ساتھ سوکھی روٹیاں پیش کیں۔** حضورمختارِکائنات ﷺ نے پانی سے نرم کرنے کے بعد اُنھیں تناول فرمایا، خدا کا شکر ادا کیا اور حرم شریف تشریف لاکر، کعبۂ مقدسہ کا طواف کیا اور حجرِ اسود کو بوسہ دیا، پھر کعبہ کو بتوں سے پاک فرمایا اور اندر جاکر دو رکعت نماز ادا فرمائی۔[۱]

بےمثال حسنِ سلوک:

فتحِ مکہ کے بعد حضور ﷺ نے حرمِ اِلٰہی میں اپنا سب سے پہلا دربارِ عام منعقد فرمایا، جس میں اسلامی فوج کے علاوہ کفار و مشرکین کا ایک زبردست مُجمع تھا۔ حضور ﷺ نے خطاب فرما کر اُنھیں اسلامی تعلیمات اور دین کے بنیادی اَحکام سے آگاہ فرمایا۔ اُس کے بعد شہنشاہِ کونین ﷺ نے ہزاروں کے مجمع میں ایک نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ سر جھکائے، نگاہیں نیچی کیے ہوئے **قریش** کے کافر سردار کھڑے ہوکر تھر تھر کانپ رہے ہیں۔ اُن ظالموں اور جفاکاروں میں وہ لوگ بھی تھے:

- جنھوں نے حضور ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھائے تھے۔
- جو بارہا حضور ﷺ پر پتھروں کی بارش کر چکے تھے۔
- وہ خوں خوار بھی تھے جنھوں نے بار بار حضور ﷺ پر قاتلانہ حملے کیے تھے۔
- وہ بےرحم بھی تھے جنھوں نے حضور ﷺ کے مبارک دانت کو شہید اور مقدس چہرے کو لہولہان کیا تھا۔
- وہ اَوباش [گنڈے] بھی تھے جنھوں نے سالہا سال تک اپنی شرم ناک گالیوں سے حضور ﷺ کے قلبِ مبارَک کو زخمی کیا تھا۔
- وہ دَرِندہ صفت بھی تھے، جو چادر کا پھندا ڈال کر حضور ﷺ کا گلا گھونٹ چکے تھے۔
- وہ پاپ کے پتلے بھی تھے جنھوں نے حضور ﷺ کی بڑی بیٹی حضرت زینب کو نیزہ مار کر

---

۱ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص: ۳۴۵-۳۴۶]

کفار کی زبانوں پر "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کے نغمے جاری ہو گئے اور ہر طرف اَنوار کی بارش ہونے لگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت و رحمت کے سبب ایسا انقلاب برپا ہوا کہ سماں ہی بدل گیا۔[1]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِس کریمانہ سلوک اور شانِ رحمۃ للعالمینی سے ثابت ہو گیا کہ پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس طرح اپنی ہر خوبی میں بے مثال ہیں، "فاتح" ہونے کی حیثیت سے بھی بے نظیر ہیں۔ دنیا کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجیے! کوئی بھی فاتح ایسا نہ ملے گا، جس نے غلبہ حاصل کر لینے کے بعد اپنے کٹر دشمنوں کو معاف بھی کیا ہو، اُن کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا تو دور کی بات ہے۔ مکۂ مکرمہ کے جانی دشمنوں کے ساتھ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حسنِ سلوک ایسا بے مثال شاہ کار ہے کہ دنیا کے بادشاہوں کے لیے اِس کا تصور بھی ممکن نہیں۔

جب آ گئی ہیں جوشِ رحمت پہ اُن کی آنکھیں　　دریا بہا دیے ہیں دُرِ بے بہا دیے ہیں

جنگِ حُنَین:

فتحِ مکہ کے بعد عرب کے تمام قبیلوں پر مذہبِ اسلام کی حقانیت واضح ہو گئی تو وہ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگے؛ لیکن "مقامِ حُنَین" میں آباد "ہوازن" اور "ثقیف" نامی قبیلوں پر فتحِ مکہ کا اُلٹا اثر پڑا۔ یہ لوگ بڑے بہادر اور جنگ جو تھے۔ کہنے لگے کہ **"فتحِ مکہ کے بعد ہماری باری ہے، اگر ہم نے مسلمانوں پر حملہ نہ کیا تو وہ ہم پر حملہ کر دیں گے"**۔ اپنے دِلوں میں یہ خیال جما کر مسلمانوں پر ایک زبردست حملے کی تیاری کرنے لگے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن کی تیاریوں کی اطلاع ملی تو آپ بارہ ہزار کا لشکرِ جرّار لے کر "حنین" کی جانب روانہ ہوئے، جہاں کافروں سے زوردار معرکہ ہوا۔ اِس غزوے میں انصار و مہاجرین اور خود حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شجاعت و بہادری کے بے مثال کارنامے انجام دیے اور کافروں کے عَلَم بردار عثمان بن عبد اللہ کے قتل ہوتے ہی اُن کے پاؤں اُکھڑ گئے اور فتحِ مبین نے حضور رحمتِ

عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کا بوسہ لیا اور بہت بڑی تعداد میں مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ ۱

بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسنِ اخلاق، رحیمانہ سلوک اور بے مثال جذبۂ عفوودرگزر کو دیکھ کر ''**قبیلۂ ہوازن**'' اور ''**قبیلۂ ثقیف**'' کے سبھی افراد مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ **سبحان اللہ !**

غزوۂ تبوک:

''تَبُوک'' مدینۂ منورہ اور ملکِ شام کے درمیان ایک مقام کا نام ہے، جو مدینۂ منورہ سے چَودہ منزل [تقریباً سات سَو کیلومیٹر] دور ہے۔ اِس غزوے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماہِ رجب المرجب ۹ھ، جمعرات کے دن روانہ ہوئے۔ اِس غزوے کو ''جَيشُ العُسرَة'' [تنگی کا لشکر] بھی کہا جاتا ہے؛ کیوں کہ سفر بہت طویل [لمبا] تھا، راستہ بنجر اور ریگستانی زمینوں پر مشتمل تھا، سخت گرمیوں کا موسم تھا، گرم لو جسم کی کھال کو جلا کر رکھ دیتی تھی، کھانے پینے اور سواریوں کی سخت قلت تھی ، اور مقابلہ عالَمی طاقت سے تھا؛ مگر اِن ناگفتہ بہ حالات میں بھی مجاہدینِ اسلام نے جس جرأت و ہمت کا مظاہرہ کیا اقوامِ عالَم کی تاریخ میں اُس کی مثال نہیں ملتی۔ ۲

غزوۂ تبوک کا سبب:

روم کا بادشاہ، عرب کے عیسائی ''**غَسَّانی خاندان**'' کو آلۂ کار بنا کر مدینۂ منورہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔ ملکِ شام کے سوداگر روغنِ زیتون بیچنے مدینۂ منورہ آئے تو اُنھوں نے خبر دی کہ ''روم کے بادشاہ نے مدینۂ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے ملکِ شام میں بہت بڑی فوج اِکٹھا کر لی ہے''۔ چوں کہ وہ لوگ اسلام کے دشمن تھے، اِس لیے اِس خبر کو نظر انداز کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی؛ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فوج کی تیاری کا حکم دیا۔

---

۱ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص: ۳۶۰ تا ۳۶۳]

۲ [ملخصاً از ضیاء النبی، ج: ۴، ص: ۵۸۵-۵۸۷]

صحابۂ کرام کی مالی قربانیاں:

اِس غزوے کی تیاری کے لیے صحابۂ کرام نے جس خلوص و جذبے کے ساتھ چندہ دیا تاریخِ عالَم میں اُس کی نظیر نظر نہیں آتی۔ ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں:

- حضرتِ صدیقِ اکبر نے اپنا سارا مال یہاں تک کہ بدن کے زائد کپڑے بھی لاکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں پیش کردیے۔
- حضرتِ فاروقِ اعظم نے اپنا آدھا مال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں پر نچھاور کردیا۔
- حضرتِ عثمانِ غنی نے ساز و سامان کے ساتھ ایک ہزار اونٹ، ستر گھوڑے اور ایک ہزار اشرفیاں پیش کیں۔
- حضرتِ عبدالرحمٰن بن عوف نے چالیس ہزار درہم پیش کیے۔
- اسلام کی مقدس خواتین نے اپنے زیورات اُتار اُتار کر بارگاہِ رسالت میں پیش کیے۔

تمام انصار و مہاجرین نے حسبِ توفیق اِس چندے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔[1]

جنگِ تبوک کا نتیجہ:

مدینۂ منورہ میں حضرتِ علی کو اپنا نائب بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیس ہزار کے لشکر کے ساتھ ''تبوک'' روانہ ہوئے۔ اُدھر رومیوں کو معلوم ہوا کہ محمد [صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] تیس ہزار کا لشکر لے کر آرہے ہیں تو اُن کے دلوں پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ دہشت کے سبب وہ اپنے گھروں سے باہر بھی نہ نکل سکے۔

- جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک پہنچے تو وہاں کہیں بھی رومی لشکر کا نام و نشان تک نظر نہ آیا۔

چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیس دنوں تک تبوک میں قیام فرمایا اور کفار کے دلوں میں اسلام کا رُعب بٹھانے کے بعد مدینۂ منورہ تشریف لائے۔ اِس طرح بغیر کسی جنگ کے مسلمان فتح و

---

۱ [ملخصاً از ضیاء النبی، ج:۴، ص:۵۹۳-۵۹۵]

نصرت سے شاد کام ہوئے۔[1]

حجۃ الوداع:

سَن ۱۰ھ کے واقعات میں "حَجَّۃُ الْوَدَاعِ" کا واقعہ سب سے اَہم اور شان دار مانا جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ ظاہری کا آخری اور ہجرت فرمانے کے بعد کا پہلا حج "حَجَّۃُ الْوَدَاعِ" کہلاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماہِ ذوالقعدہ ۱۰ھ میں حج کے لیے اپنی روانگی کا اعلان فرمایا۔ یہ خبر بجلی کی طرح سارے عرب میں ہر طرف پھیل گئی اور اپنے آقا و مولا کے ساتھ حجِّ بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے کے لیے پورا عرب اُمنڈ پڑا۔

ماہِ ذوالقعدہ کے آخر میں، جمعرات کے دن، غسل سے فارغ ہوکر، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر کی نماز "مسجدِ نبوی" میں ادا فرمائی اور تمام ازواجِ مطہرات کو ساتھ لے کر "مدینۂ منورہ" سے روانہ ہوئے۔ "ذُوالْحُلَیْفَۃ" [اہلِ مدینہ کی میقات] پہنچ کر رات بھر قیام فرمایا، پھر غسل فرما کر "اِحْرَام" زیبِ تن کیا اور دو رکعت نماز ادا فرما کر اپنی اونٹنی "قَصْوَآء" پر سوار ہوئے اور بلند آواز سے "لَبَّیْکَ" پڑھتے ہوئے جانبِ مکہ روانہ ہوئے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے، پیچھے، دائیں اور بائیں آدمیوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر دکھائی دے رہا ہے۔

ایک روایت کے مطابق ایک لاکھ چَودَہ ہزار اور دوسری روایت کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمان "حَجَّۃُ الْوَدَاعِ" کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ چار ذوالحجہ کو آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکۂ مکرمہ میں نزولِ اِجلال فرما کر "عُمْرَہ" ادا فرمایا۔ پھر آٹھویں ذوالحجہ جمعرات کو "مِنیٰ" تشریف لے گئے۔ وہاں پانچ نمازیں "ظہر، عصر، مغرب، عشا، فجر" ادا فرما کر، نویں ذوالحجہ جمعہ کو "عَرَفات" تشریف لے گئے، جہاں آپ نے قیامت تک آنے والے تمام

[1] [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص: ۳۸۷ تا ۳۹۵]

انسانوں کے لیے نہایت فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔

خطبے کے بعد ایک اَذان اور دو اِقامتوں کے ساتھ نمازِ ظہر اور عصر ادا فرمائی، پھر جبلِ رحمت کے نیچے غروبِ آفتاب تک دعا میں مشغول رہے۔ اِس کے بعد "مُزْدَلِفَہ" کو شرفِ قدوم بخشا، یہاں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ **"مغرب اور عشا"** کی نمازیں ادا فرمائیں۔ پھر **"رمیِ جمرات، طواف زیارت اور حلق"** سے فارغ ہو کر حج کی تکمیل فرمائی۔[1]

حجۃ الوداع کے **"خطبے"** میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے:

- زمانۂ جاہلیت کی تمام بے ہودہ رسموں کے خاتمے کا اعلان فرمایا۔
- خاندانی تفاخُر اور رنگ و نسل کی برتری کے بتوں کو پاش پاش کیا۔
- تقوی کے بغیر کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر برتری حاصل نہ ہونے کی بات کہی اور تمام انسانوں کے حقوق بیان کرتے ہوئے ہمیشہ کے لیے قتل و غارت گری اور لوٹ مار کو حرام قرار دیا۔[2]

وفاتِ اقدس:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کا مقصد یہی تھا کہ آپ خدا کے آخری اور قطعی پیغام یعنی **"دینِ اسلام کے احکام"** اُس کے بندوں تک پہنچا دیں۔ اِس عظیم مقصد کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی کامیاب تبلیغ فرمائی کہ اگر تمام نبیوں اور رسولوں کے تبلیغی کارناموں کو جمع کر دیا جائے تو آقائے دو عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغی شاہ کاروں کے سامنے ایسے ہی نظر آئیں گے جیسے چمکتے سورج کے سامنے ٹمٹماتے چراغ۔

جب دینِ اسلام مکمل ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے **رفیقِ اعلیٰ اللہ ربُّ العزت سے ملاقات**

---

[1] [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص: ۴۱۷ تا ۴۲۱]

[2] [ملخصاً من السیرۃ النبویۃ للامام ابن ہشام، ج: ۴، ص: ۴۰۸، مطبوعہ دار الحدیث، القاہرہ]

کے خواہاں ہوئے۔ چناں چہ ۱۱ رہجری، صفر کی ۲۹ رتاریخ، پیر کے دن آپ ایک جنازے میں تشریف لے گئے، تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر جب واپس ہونے لگے تو راستے میں دردِ سر شروع ہو گیا۔ درد کی شدت کے باعث شدید بخار بھی چڑھ گیا۔ یہی بخار آخر کار اللہ کے محبوب بندے کی اپنے ربِّ کریم سے ملاقات کا ذریعہ بنا۔[1]

بیماری کی مدت اور شانِ صدیقِ اکبر:

اِس بیماری کا عرصہ مختلف روایتوں میں **تیرہ، چودہ اور پندرہ دن** تک بتایا گیا ہے۔ اِس علالت کے دوران امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گیارہ دنوں تک مسجد نبوی میں تشریف لاتے اور ہر نماز کی امامت کرتے رہے؛ لیکن جب نقاہت زیادہ بڑھی تو آپ نے **اپنے یارِ غار حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو امامت کرنے کا حکم دیا۔**[2]

حیاتِ ظاہری کے آخری دن کے حالات:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے رہے، یہاں تک کہ پیر کے دن جب کہ مسلمان فجر کی نماز باجماعت ادا کر رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار پائی سے اُتر کر دروازے کے قریب تشریف لائے اور **جب پردہ ہٹا کر اپنے غلاموں کو رب تعالیٰ کے حضور کھڑے دیکھا تو آپ کی خوشی کی انتہا نہ رہی**۔ جب صحابہ کو معلوم ہوا کہ اُن کے آقا انھیں دیکھ رہے ہیں تو دیدار کے لیے بالکل بے چین ہو گئے، ایسا لگ رہا تھا کہ وہ نمازیں توڑ دیں گے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں نماز مکمل کرنے کا اشارہ کیا اور دروازے پر پردہ آویزاں کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد **آپ کی لختِ جگر سیدۂ کائنات حضرت فاطمہ زہرا** رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف لائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں خوش آمدید کہا اور اپنے بازو میں بٹھا کر اُن کے کانوں میں سرگوشی کی:

---

[1] [ملخصاً از ضیاء النبی ج: ۴، ص: ۷۹۲]

[2] [مصدرِ سابق]

''اے میری نورِ نظر! اللہ سے ڈرتی رہنا اور اِس مصیبت پر صبر کرنا، میں تمھارے لیے بہترین پیش رَو ہوں''۔

یہ سن کر سیدہ رونے لگیں، پھر آپ نے فرمایا: ''بیٹی گھبراؤ نہیں، تم کُل مومن خواتین کی سردار ہو اور میرے وصال کے بعد سب سے پہلے تمھی میرے پاس آؤ گی''۔ یہ خوش خبری سن کر سیدہ مسکرانے لگیں۔

کچھ دیر بعد حضرت جبریلِ امین علیہ السلام بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے، سلام پیش کیا اور مزاج پرسی کی۔ پھر حضرت ملک الموت [حضرتِ عزرائیل] علیہ السلام نے درِ اقدس پر حاضر ہو کر اجازت طلب کی۔ جبریلِ امین نے عرض کی: یا رسول اللہ! ملک الموت دروازے پر حاضر ہے اور اندر آنے کی اجازت طلب کر رہا ہے۔ یا رسول اللہ! اِس ملک الموت نے نہ آج تک کسی سے اجازت طلب کی ہے اور نہ آپ کے بعد کسی سے کرے گا۔ ملک الموت نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے اللہ عز وجل نے آپ کی روحِ اقدس قبض کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ یا رسول اللہ! اللہ عز وجل آپ کے لیے بڑا مشتاق ہے۔ یہ سن کر مخدومِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ملک الموت کو اپنی روح قبض کرنے کی اجازت دے دی۔[1]

سرورِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری لمحات:

آخری لمحات میں آقائے دو عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسواک فرمائی اور ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دستِ مبارک پکڑ کر جسمِ اقدس پر ہاتھ پھیرنے لگیں اور یوں دعا کرنے لگیں:

❁ اے سب لوگوں کے پروردگار! اِس تکلیف کو دور فرما، شفا عطا فرما، تو ہی شفا دینے والا ہے۔ تیری شفا کے بغیر کوئی شفا نہیں۔ ایسی شفا دے جو بیماری کو نیست و نابود کر دے۔

---

1 [ملخصاً از ضیاء النبی، ج:۴، ص: ۸۰۹ تا ۹۱۴]

ام المومنین فرماتی ہیں:

حضور ﷺ نے اچانک دستِ مبارک میرے ہاتھوں سے چھین لیا اور زبانِ اقدس سے فرمایا:

اے اللہ! مجھے رفیقِ اعلیٰ [یعنی اپنی ذات] سے ملا دے!

اُمُّ المومنین حضرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتیں:

جس وقت حضورِ اقدس ﷺ کی روحِ انور جسمِ اطہر سے رفیقِ اعلیٰ کی جانب روانہ ہوئی میں نے ایسی خوش بو سونگھی جو آج تک کبھی نہیں سونگھی تھی۔[1]

وفاتِ اقدس کا دن اور تاریخ:

حضور ﷺ کی تاریخِ وفات میں موَرِّخین کا بڑا اختلاف ہے، البتہ تمام علماے سیرت کا اِس بات پر اتفاق ہے کہ **''پیر کا دن''** اور **''ربیع الاول''** کا مہینہ تھا؛ لیکن مشہور یہی ہے کہ ۱۲/ربیع الاول ۱۱ھ دوشنبہ کے دن، ۶۳/سال کی عمرِ پاک میں، حضور ﷺ نے وصال فرمایا۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**[2]

انبیا کو بھی اَجَل آنی ہے مگر ایسی کہ فقط آنی ہے
پھر اُسی آن کے بعد اُن کی حیات مثلِ سابق وہی جسمانی ہے

تجہیز و تکفین:

حضور ﷺ کی وصیت کے مطابق **تجہیز و تکفین کی خدمت** آپ کے خاندان کے لوگوں نے انجام دی۔ چناں چہ **''حضرتِ عباس، حضرت علی، حضرت اسامہ بن زید، حضرتِ فضل بن عباس، حضرتِ قثم بن عباس''**، رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مل جُل کر آپ کو غسل دیا۔ جب جنازہ تیار ہوا تو عاشقانِ رسالت نمازِ جنازہ کے لیے ٹوٹ پڑے، پہلے مَردوں نے، پھر عورتوں نے، پھر بچوں نے

---

1 [ملخصاً از ضیاء النبی، ج:۴، ص: ۸۱۴-۸۱۵]

2 [سیرتِ مصطفیٰ، ص: ۴۳۲-ضیاء النبی، ج:۴، ص: ۸۱۸-۸۲۰]

نماز پڑھنے کی سعادت حاصل کی ۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسمِ نور حجرۂ مقدسہ میں تھا، باری باری سے تھوڑے تھوڑے لوگ اندر جاتے اور نماز پڑھ کر چلے آتے تھے؛ کوئی امام نہ تھا۔

حضرت **''ابوطلحہ انصاری''** نے حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرۂ مقدسہ میں **''بغلی قبر''** تیار کی اور اہلِ بیتِ کرام نے قبرِ انور میں اتارنے کی سعادت حاصل کی ۔[1]

ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روضۂ اقدس آج بھی مسلمانانِ عالَم کی عقیدتوں کا مرکز اور انوار و برکات کا معدن ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ ۔

[1] [ملخصاً از ضیاء النبی، ج:۴، ص: ۸۳۷ تا ۸۴۱]

دوسرا باب

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض شمائل وخصائل

حسن وجمال:

اِس کائنات میں وہ مبارک شخصیت جس کے اندر اللہ عزوجل نے **"صورت وسیرت"** کے تمام محاسن بدرجۂ اتم جمع فرما دیے ہیں، پیغمبرِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔ عالَمِ انسانیت میں حضور نبی آخر الزّماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **"ظاہری و باطنی حسن و جمال"** کے اُس مرتبۂ کمال پر فائز ہیں جہاں سے کائنات کے ہر حسین کو حسن و جمال کی خیرات مل رہی ہے۔ اللہ ربُّ العزت نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا خوب صورت بنایا کہ کائنات میں اُس کی مثال ملنا ناممکن ہے۔ حضور شاہِ خوباں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس حسن و جمال کا سرچشمہ ہے۔ کائناتِ حسن کا ہر ذرّہ دہلیزِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادنیٰ سا بھکاری ہے۔ اِس چمنِ جہاں کی تمام رَعنائیاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے دم قدم سے ہیں۔ خالقِ کائنات نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ حسن و جمال عطا فرمایا کہ اگر اُس کا **"ظہورِ کامل"** ہو جاتا تو انسانی آنکھ اُس کے جلووں کی تاب نہ لاسکتی؛ کیوں کہ ربِّ کائنات نے وہ آنکھ ہی نہیں بنائی جو تاجدارِ عرب وعجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بے مثال حسن و جمال کا مشاہدہ کر سکے۔ اِسی لیے اللہ رب العزت نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی حسن و جمال کو مخلوق پر مخفی رکھا۔ چناں چہ:

❁ حضرت سیدنا امام زُرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سیدنا امام قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ ایمان افروز قوَل نقل کیا ہے:

❁ لَمْ يَظْهَرْ لَنَا تَمَامُ حُسْنِهٖ ﷺ لِأَنَّهٗ لَوْ ظَهَرَ لَنَا تَمَامُ حُسْنِهٖ لَمَا أَطَاقَتْ

أَعْيُنُنَا رُؤْيَتَهٗ ﷺ ۔ ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسن و جمال ہم پر مکمل طور پر ظاہر نہیں کیا گیا؛ کیوں کہ اگر آقاے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسن و جمال ہم پر کامل طور پر ظاہر کر دیا جاتا تو ہماری آنکھیں حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلووں کا نظارہ کرنے سے قاصر رہتیں۔[1]

حضرتِ علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہی خوب فرمایا:

✿ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسن و جمال اَوجِ کمال پر تھا؛ لیکن اللہ عز وجل نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن و جمال کو صحابۂ کرام پر مخفی رکھا۔ اگر شاہِ دو عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جمال پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ افروز ہوتا تو آپ کے رخِ زیبا کی طرف آنکھ اٹھانا بھی مشکل ہو جاتا۔[2]

حسن و جمال کو مخفی رکھنے کے باوجود روے تاباں کی جلوہ ریزیوں کا عالَم یہ تھا کہ صحابیِ رسول حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

✿ میں نے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انوار کا مشاہدہ کیا تو [حسن و جمال کی تابانیوں کے سبب] بینائی سے محروم ہو جانے کے خوف سے میں نے اپنی ہتھیلی آنکھوں پر رکھ لی۔ اللہ اکبر۔[3]

✿ حضرت سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ اشعار بڑے وَجد آفریں ہیں:

وَأَحْسَنَ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِيْ ۔۔۔ وَأَجْمَلَ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَآءُ

آپ سے زیادہ حسین میری آنکھ نے کبھی دیکھا ہی نہیں ۔۔۔ اور نہ ہی کسی ماں نے آپ سے زیادہ جمیل کو جنم دیا ہے

خُلِقْتَ مُبَرَّاً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ ۔۔۔ كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَآءُ

آپ کی تخلیق ہر نقص و عیب سے پاک ہے ۔۔۔ گویا کہ آپ کی تخلیق آپ کی مرضی کے مطابق ہوئی ہے۔

✿ اور حسان الہند سیدنا سرکارِ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا ہی خوب کہا ہے:

وہ کمالِ حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص، جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

---

۱ [شرح الامام الزرقانی علی المواهب اللدنیۃ، ج:۵، ص:۲۴۱]

۲ [جمع الوسائل فی شرح الشمائل، ج:۲، ص:۹]

۳ [جواہر البحار، ج:۲، ص:۴۵۰]

ہمارے نبی حضرت **محمد مصطفیٰ** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **''حضرتِ سیدنا یوسف''** علیہ السلام سے بھی **خوب صورت** ہیں؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام اور دنیا کے تمام حسینوں کا حسن و جمال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن و جمال کے مقابلے میں صرف ایک جز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اِس کی دلیل حضرت سیدنا امام محمد مہدی الفاسی کا یہ قول ہے:

❁ حضرت یوسف علیہ السلام اور دیگر حسینانِ جہاں کا حسن، حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بے مثال حسن و جمال کے سامنے ایک جز کی حیثیت رکھتا ہے؛ کیوں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمِ مبارک کی صورت پر پیدا کیے گئے ہیں۔ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن و جمال کو ہیبت و وقار کے پردوں میں نہ ڈھانپا ہوتا اور دوسروں [کفار و مشرکین] کو اُن کے دیدار سے اندھا نہ کیا گیا ہوتا تو **کوئی شخص اُن کی جانب دنیا کی اِن کمزور آنکھوں سے نہ دیکھ سکتا۔** [1]

رہ گیا یہ سوال کہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر **بے ہوش** کیوں نہ ہوئے اور عرب کی **عورتوں** نے **اپنی انگلیاں کیوں نہ کاٹ لیں**؟ تو اِس سلسلے میں حضرتِ شاہ ولیُّ اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

❁ میرے والدِ ماجد شاہ عبد الرحیم علیہ الرحمہ کو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر مصر کی عورتوں نے بے خودی میں اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور اُن کے حسن و جمال کو دیکھ کر بعض لوگ بے ہوش بھی ہوئے؛ لیکن کیا وجہ ہے کہ **آپ کے حسن و جمال کو دیکھ کر صحابۂ کرام پر ایسی کیفیات طاری نہیں ہوئیں؟**

اِس پر نبیِّ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

❁ اللہ تعالیٰ نے غیرت کی وجہ سے میرا جمال لوگوں سے مخفی رکھا ہے، اگر میرا جمال کما حقہ آشکارا ہو جاتا تو لوگوں پر بے خودی کا عالَم اُس سے کہیں بڑھ کر طاری ہوتا جو حضرت یوسف علیہ

---

[1] [مطالع المسرات، ص: ۳۹۴]

السلام کو دیکھ کر ہوا کرتا تھا۔[۱]

❁ سرکارِ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا ہی خوب فرمایا ہے:

حسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زَناں　　　سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حسن و جمال کو بے مثال ماننا ہمارے ایمان کا بنیادی جز ہے۔ کسی شخص کا ایمان اُس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک وہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو صورت و سیرت کے لحاظ سے ساری مخلوق سے افضل اور اکمل تسلیم نہ کرے۔

حضرتِ علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

❁ کسی شخص کا ایمان اُس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک وہ یہ اعتقاد نہ رکھے کہ بلا شبہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ظاہری و باطنی کمالات ہر شخص کی ظاہری و باطنی خوبیوں سے بڑھ کر ہیں۔[۲]

اور حضرت امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

❁ ایمان کی تکمیل کے لیے یقیناً یہ عقیدہ رکھنا لازمی ہے کہ اللہ عز وجل نے کسی کو بھی رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جیسا حسین و جمیل نہیں بنایا، نہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پہلے، نہ بعد میں۔[۳]

جسمِ اقدس کی رنگت:

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسمِ اقدس کی رنگت ''سفید'' تھی؛ لیکن یہ دودھ اور چونے کی طرح سفید نہ تھی؛ بلکہ سرخی مائل، ملاحت آمیز سفیدی تھی۔

❁ اُمُّ المومنین حضرتِ سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں: كَانَ أَنْوَرَهُمْ

---

۱ [الدر الثمین، ص:۳۹]

۲ [جمع الوسائل فی شرح الشمائل، ج:۱، ص:۱۰]

۳ [المواہب اللدنیہ، ج:۱، ص:۲۴۸]

لَوْنًا۔ترجمہ:حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رنگ کے لحاظ سے تمام لوگوں سے زیادہ پُرنور تھے۔ [۱]

❁ جسمِ اطہر کی رنگت کے بارے میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَحْسَنَ النَّاسِ لَوْنًا۔ترجمہ:حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رنگت کے لحاظ سے سب لوگوں سے زیادہ خوب صورت تھے۔ [۲]

❁ حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: أَبْيَضُ كَأَنَّمَا صِيْغَ مِنْ فِضَّةٍ۔ ترجمہ:حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفید رنگت والے تھے، گویا آپ کا جسمِ اقدس چاندی سے ڈھالا گیا ہو۔ [۳]

❁ امامِ اہلِ سنت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِنھی حدیثوں کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا:

جس سے تاریک دل جگمگانے لگے اُس چمک والی رنگت پہ لاکھوں سلام

جسمِ اطہر کی طہارت:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سر سے پیر تک پاکیزگی کا پیکر تھے۔جسمِ اقدس ہر قسم کی آلائش [گندگی] سے پاک تھا۔قدرت نے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظافت وطہارت کا خصوصی اہتمام فرمایا تھا۔ یہاں تک کہ جس شبِ مبارک آپ دنیا میں تشریف لائے اللہ عزوجل نے اُس شب کے لمحے لمحے کو طہارت کا مظہر بنا دیا تھا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدۂ ماجدہ حضرت سیدتنا آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

❁ وَلَدْتُهٗ نَظِيْفًا مَا بِهٖ قَذِرٌ۔ترجمہ:میں نے اپنے لختِ جگر محمد [صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] کو اِس طرح پاک وصاف جَنا کہ اُن کے جسم پر میل کا نام ونشان تک نہ تھا۔ [۴]

---

۱ [دلائل النبوۃ للامام البیہقی، ج:۱،ص:۳۰۰]

۲ [السیرۃ النبویۃ، للامام ابن عساکر، ج:۱،ص:۳۱۱]

۳ [الجامع الصغیر، ج:۱،ص:۲۲]

۴ [نسیم الریاض، ج:۱،ص:۳۶۳]

جسمِ اَنور کی نازُکی:

حضرت سیدنا علی شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ اقدس کی ''نازکی'' کے حوالے سے روایت کرتے ہیں:

❁ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ رَقِيْقَ الْبَشَرَةِ۔ ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسمِ اقدس نہایت نرم و نازک تھا۔[۱]

حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

❁ مَا مَسِسْتُ حَرِيْرًا وَّلَا دِيْبَاجًا أَلْيَنَ مِنْ كَفِّ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ۔ ترجمہ: میں نے کسی ایسے ریشم اور دیباج کو نہیں چھوا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو۔[۲]

جسمِ اَجمل کی لطافت:

خالقِ کائنات عزوجل نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ اطہر کو ایسا **لطیف** بنایا کہ اُن کے جسمِ اقدس کا سایہ تک نہ رکھا۔ یہ حقیقت بہت سی رِوایتوں سے ثابت ہے۔ صرف دُو رِوایتیں ملاحظہ فرمائیں:

❁ حضرت سیدنا امام جلال الدین سیوطی ''**الخصائص الکبریٰ**'' میں فرماتے ہیں:

اِنَّ ظِلَّهٗ كَانَ لَا يَقَعُ عَلَى الْأَرْضِ، وَاِنَّهٗ كَانَ نُوْرًا فَكَانَ اِذَا مَشٰى فِي الشَّمْسِ أَوِ الْقَمَرِ لَا يُنْظَرُ لَهٗ ظِلٌّ۔ ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ اقدس کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا، آپ تو سراپا نور تھے، جب سورج یا چاند کی روشنی میں چلتے تھے تو آپ کا سایہ نظر نہیں آتا تھا۔[۳]

❁ حضرت سیدنا امام زُرقانی ''**المواہب اللدنیۃ**'' کی شرح میں فرماتے ہیں: لَمْ يَكُنْ لَّهَا

---

۱ [الوفا للامام ابن الجوزی، ص:۴۰۹]

۲ [الصحیح للامام البخاری، کتاب المناقب، رقم الحدیث:۳۳۶۸]

۳ [الخصائص الکبریٰ، ج:۱، ص:۱۲۲]

ظِلٌّ فِیْ شَمْسٍ وَّلَا قَمَرٍ ۔ترجمہ: دھوپ اور چاندنی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سایہ نہ ہوتا تھا۔[1]

جسمِ بے مثل کی خوش بو:

ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسمِ اقدس سے **نہایت نفیس خوش بو** پھوٹتی تھی۔ دنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ خوش بو بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسمِ اقدس سے نکلنے والی خوش بو کے سامنے بے حیثیت تھی۔آپ جس گلی سے گزر جاتے وہ مہینوں مہکتی رہتی اور جس شے کو چھو لیتے وہ مدتِ دراز تک معطّر رہتی۔

❁ جسمِ اطہر سے نکلنے والا پسینہ بھی مشک وعنبر سے زیادہ مہکتا تھا۔جب آپ پیدا ہوئے تو جسمِ اقدس سے **مشک** سی خوش بو آ رہی تھی۔حضرت سیدتنا آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

پیدائش کے بعد میں نے اپنے لختِ جگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت کی تو آپ کے جسمِ اقدس کو چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا پایا اور اس سے **تازہ کستوری کی مہک آ رہی تھی**۔[2]

❁ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دودھ پلانے کے لیے جب اپنے گھر کی طرف چلیں تو ''تمام راستے خوش بوؤں سے مہک اُٹھے''۔وہ خود روایت کرتی ہیں:

جب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے گھر لائی تو بنو سعد کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جہاں ہم نے مشک کی خوش بو محسوس نہ کی ہو۔[3]

اِسی لیے تو ہمارے امام سرکارِ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

واللہ جو مَل جائے مرے گُل کا پسینہ   مانگے نہ کبھی عِطر نہ پھر چاہے دلھن پھول

حضرت سیدنا مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور تاجدارِ کائنات کے **مبارک پسینے** کا ذکر اِن الفاظ میں کرتے ہیں:

---

[1] [شرح الامام الزرقانی علی المواہب اللدنیہ، ج:۵،ص:۵۳۱]

[2] [شرح الامام الزرقانی علی المواہب اللدنیہ، ج:۵،ص:۵۳۱]

[3] [سبل الہدی والرشاد، ج:۱،ص:۳۸۷]

كَانَ عَرَقُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فِيْ وَجْهِهٖ الُّؤْلُؤ وَ رِيْحُ عَرَقِ رَسُوْلِ اللهِ أَطْيَبَ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ الْأَذْفَرِ ۔ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رُخِ انور پر پسینے کے قطرے خوب صورت موتیوں کی طرح دکھائی دیتے تھے اور اُس کی خوش بو عمدہ مشک سے بڑھ کر تھی ۔[1]

❁ اِسی لیے صحابہ وصحابیات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ اقدس سے نکلنے والے پسینے کو شیشیوں میں جمع کرتے اور اُسے بطورِ عطر استعمال کرتے تھا؛ کیوں کہ اُس جیسا عطر روئے زمین پر دست یاب نہیں ہوسکتا تھا۔[2]

روے منور کی تابانی:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ مقدّس ایسا روشن تھا کہ صحابۂ کرام جب اُس کے دیدار سے فیض یاب ہوتے تو اُن کی آنکھوں میں نور اتر آتا اور سینوں میں ٹھنڈک بھر جاتی تھی ۔اللہ عز وجل نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ اقدس میں ایسی کشش رکھی تھی کہ دیکھنے والا ہر شخص ہمیشہ یہ تمنا رکھتا کہ حسن کی یہ جلوہ گاہ کبھی بھی اُس کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہو۔سیکڑوں رِوایتیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسنِ بے مثال کی جھلک پیش کررہی ہیں ۔صرف ایک روایت ملاحظہ فرمائیں:

❁ حضرت سیدنا براابن عاذب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَحْسَنَ النَّاسِ وَجْهًا وَّ اَحْسَنَهُمْ خُلُقًا ۔ترجمہ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چہرۂ اطہر اور پاکیزہ اخلاق کے لحاظ سے تمام لوگوں میں سب سے زیادہ حسین وجمیل تھے۔[3]

سرِ انور کی موزونیت:

سردارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ''سرِ انور'' مناسب حد تک بڑا اور حسنِ اعتدال کے ساتھ

---

1 [سبل الهدی والرشاد، ج:۲،ص:۸۶]

2 [الصحیح للامام مسلم، کتاب الفضائل، رقم الحدیث:۱۸۱۵]

3 [الصحیح للامام البخاری، کتاب المناقب، رقم الحدیث:۳۳۵۶]

وقار کا مظہرِ کامل دکھائی دیتا تھا۔ دیکھنے والوں کے دل و دماغ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سردار ہونے اور آپ کی عظمت و وجاہت کا تأثر قائم ہو جاتا تھا۔

حضرت مولا علی شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ضَخْمَ الرَّأْسِ۔ ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سرِ اقدس [اعتدال کے ساتھ] بڑا تھا۔[1]

خیال رہے کہ انسانی سر کا مَوْزُوْنِیَّت [اعتدال] کے ساتھ بڑا ہونا وقار، عقل اور بصیرت کی دلیل ہوتی ہے۔ شیخ ابراہیم باجوری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

سرِ اقدس کا بڑا ہونا دماغی قوت کے کامل ہونے کے ساتھ ساتھ قوم کے سردار ہونے کی بھی دلیل ہے۔[2]

موئے مبارک کی دل کشی:

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرِ انور کے مبارک بال، **ریشم کے سیاہ گچھوں کی طرح نہایت خوب صورت اور دل کش تھے۔** نہ بالکل سیدھے اور نہ ہی پوری طرح گھنگھریالے۔ اللہ ربُّ العزت نے اپنے محبوب کی سیاہ زلفوں کی قسم کھاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۙ ترجمہ: [اے حبیبِ مکرَّم!] قسم ہے سیاہ رات [کی طرح آپ کی زُلفِ عَنبریں] کی، جب وہ [آپ کے شانوں پر] چھا جائے۔[3]

حضرت برا ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سیاہ بالوں کے حسن و جمال کا تذکرہ اِن الفاظ میں کرتے ہیں:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زلفیں کانوں کی لَو تک نیچے لٹکتی رہتیں۔ میں نے سرخ [لال

---

۱ [الادب المفرد، باب الجفا، رقم الحدیث: ۱۳۱۵]

۲ [المواہب اللدنیہ علی الشمائل المحمدیہ، ص: ۱۳]

۳ [سورۂ ضحیٰ، آیت نمبر: ۲]

دھاری دار] جبے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بڑھ کر کسی کو حسین نہیں دیکھا۔[1]

حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رِیشِ مبارک [مبارک داڑھی] اور سرِ انور کے بال گہرے سیاہ رنگ کے تھے۔[2]

نورانی پیشانی کی کشادگی:

حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک پیشانی کشادہ، روشن اور چمک دار تھی، جس پر ہر وقت اطمینان وسکون اور فرحت ومسرت کی کیفیت نمایاں رہتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک پیشانی پر نظر ڈالنے والے مسرور ہوجاتے اور اُن کے دل سکون کی دولت سے مالا مال ہوجاتے۔ کسی نے بھی ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک پیشانی پر اکتاہٹ اور بے زاری کی کیفیت نہیں دیکھی۔ سرورِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیشانی پھولوں کی طرح تازہ اور چاند کی طرح روشن تھی۔

شاعرِ رسول حضرتِ سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ایک شعر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روشن پیشانی کا تذکرہ یوں کیا ہے:[3]

مَتٰی یَبْدُ فِیْ الدَّاجِیْ الْبَہِیْمِ جَبِیْنُہٗ	یَلُحْ مِثْلَ مِصْبَاحِ الدُّجٰی الْمُتَوَقِّدِ
جب رات کی تاریکی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیشانی ظاہر ہوتی	تو وہ سیاہ اندھیرے میں روشن چراغ کی طرح چمکتی دکھائی دیتی۔

اَبروے مبارک:

حضور سیدِ کائنات، فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک بھوئیں دراز، باریک اور گھنے بالوں والی تھیں۔ دونوں ابروے مبارک اِس قدر متصِل تھیں کہ دور سے مِلی ہوئی معلوم ہوتی تھیں،

---

۱ [الصحیح للامام مسلم، کتاب الفضائل، رقم الحدیث: ۲۳۳۷]

۲ [سبل الہدیٰ والرشاد، ج: ۲، ص: ۱۷]

۳ [دیوان حسان بن ثابت، ص: ۶۷]

دونوں ابروؤں کے درمیان ایک رَگ چُھپی رہتی، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر جَلال کی کیفیت طاری ہوتی تو وہ اُبھر کر نمایاں ہو جاتی، جسے دیکھ کر صحابۂ کرام جان لیتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حالتِ جلال میں ہیں۔[۱]

باریک ابروؤں کے بارے میں ایک روایت یوں بیان کی گئی ہے: **كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم دَقِيْقَ الْحَاجِبَيْنِ**۔ ترجمہ: رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک ابرو باریک تھے۔[۲]

امامِ اہلِ سنت محدث بریوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا ہی خوب فرمایا ہے:

جن کے سجدے کو محرابِ کعبہ جھکی — اُن بھوؤں کی لطافت پہ لاکھوں سلام
چشمۂ مِہر میں مَوجِ نورِ جلَال — اُس رگِ ہاشمیت پہ لاکھوں سلام

مقدّس آنکھیں:

اللہ ربُّ العزت نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نہایت **وجیہ، خوب صورت اور فراخ آنکھوں سے سرفراز فرمایا تھا**۔ حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک آنکھیں انتہائی پرکشش، خوب سیاہ، جاذبِ نظر اور حسن وجمال کا بے مثال مُرَقَّع تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آنکھیں قدرتی طور پر **''سُرمگیں''** تھیں، جو بھی اُنھیں دیکھتا یہ سمجھتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی آنکھوں میں ابھی ابھی سرمے کی سلائی ڈال کر آئے ہیں۔

حضرت سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كُنْتُ إِذَا نَظَرْتُ إِلَيْهِ ،قُلْتُ :اَكْحَلُ الْعَيْنَيْنِ وَ لَيْسَ بِأَكْحَلَ۔ ترجمہ: میں جب بھی آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک آنکھوں کا نظارہ کرتا تو اُن میں سرمہ لگا ہونے کا گمان کرتا، حالاں کہ اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سرمہ لگائے ہوئے نہ ہوتے۔[۳]

---

۱ [الشمائل المحمدیہ، ج ۲:، رقم الحدیث: ۸]

۲ [مجمع الزوائد، ج: ۴، ص: ۷۴]

۳ [الجامع للامام الترمذی، ابواب المناقب، رقم الحدیث: ۳۶۴۵]

بینیِ اَقدس: [پاکیزہ ناک]

حضور رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک ناک انتہائی حسین وجمیل اور بلند تھی، اُس پر ایک نور چمکتا تھا۔ بغور نہ دیکھنے سے محسوس ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک ناک کافی اونچی ہے، حالاں کہ وہ زیادہ اونچی نہ تھی؛ مگر جلوہ فگن ہونے والے نور کی وجہ سے وہ کچھ اونچی دکھائی دیتی تھی۔[1]

حسنینِ کریمین کے ماموں حضرت سیدنا ہند بن ابو ہالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَقْنَى الْعِرْنِيْنَ، لَهٗ نُوْرٌ يَعْلُوْهُ، يَحْسَبُهٗ مَنْ لَّمْ يَتَأَمَّلْهُ أَشَمَّ۔ ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک ناک کچھ اونچی تھی، جس سے نور کی شعائیں پھوٹتی رہتی تھیں۔ جو شخص بینیِ مبارک کو غور سے نہ دیکھتا وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بلند ناک والا تصور کرتا [حالاں کہ ایسا نہ تھا]۔[2]

نیچی آنکھوں کی شرم و حیا پر درود اونچی بینی کی رِفعت پہ لاکھوں سلام

روشن وتابناک رخسار:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک رخسار نہ زیادہ اُبھرے ہوئے تھے اور نہ اندر کی طرف دھنسے ہوئے؛ بلکہ تَوازُن کا دل کش نمونہ تھے، جن کی چمک ایسی کہ چاند بھی شرما جائے، رنگت ایسی کہ گلاب کے پھولوں کو بھی دیکھ کر پسینہ آجائے۔ سبحان اللہ!

حضرت سیدنا ہند بن ابو ہالہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ سَهْلَ الْخَدَّيْنِ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے روشن رخسار، ہموار تھے۔[3]

اُن کے خَد کے سہولت پہ بے حد درود اُن کے قَد کی رَشاقت پہ لاکھوں سلام

---

۱ [شمائلِ محمدیہ، ص۲۱، رقم الحدیث: ۷]

۲ [الخصائص الکبریٰ، ج:۱، ص:۱۳۰]

۳ [البدایہ والنہایہ، ج:۶، ص:۱۷]

لبِ اَقدس:

حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لبِ اقدس انتہائی حسین، سرخی مائل تھے، نزاکت اور دل کشی میں اپنی مثال آپ تھے۔ حضرت علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ "**انوارِ محمدیہ**" میں حضرت سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل فرماتے ہیں:

❁ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے **مقدس لب**، اللہ کے تمام بندوں سے بڑھ کر خوب صورت تھے اور بوقتِ سکوت [خاموشی] انتہائی لطیف محسوس ہوتے تھے۔[1]

امامِ اہلِ سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اِسی کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا:

پتلی پتلی گلِ قدس کی پتیاں ... اُن لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام

دندانِ آب دار:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دندانِ مبارک [دانت] "باریک اور خوب چمک دار" تھے۔ سامنے کے دندانِ مبارک میں تھوڑا سا فاصلہ تھا، جب تبسُّم فرماتے تو یوں لگتا کہ اُس سے نور کی شعائیں نکل رہی ہیں۔

❁ حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: **كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَفْلَجَ الثَّنِيَّتَيْنِ، إِذَا تَكَلَّمَ رُأْيَ كَالنُّوْرِ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ ثَنَايَاهُ.**

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے کے دانتوں کے درمیان موزوں فاصلہ تھا، جب گفتگو فرماتے تو اُس فاصلے سے نور کی شعائیں نکلتی دکھائی دیتیں تھیں۔ سبحان اللہ![2]

---

۱ [الانوار المحمدیۃ من المواہب اللدنیۃ، ص: ۲۰۰]

۲ [السنن للامام الدارمی، ج۱، باب فی حسن النبی، رقم الحدیث: ۵۸]

تیسرا باب

مختارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعض تصرفات واختیارات

درختوں اور پہاڑوں کا سلامِ عقیدت:

جن کی بارگاہِ اقدس میں درخت اور پہاڑ بھی سلام پیش کرتے ہیں وہ ہمارے آقا محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔ حضرت سیدنا مولا علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

میں مکۂ مکرمہ میں، حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہمراہ، شہر کے اَطراف میں نکلا تو دیکھا کہ آپ کے سامنے آنے والا ہر درخت اور پہاڑ، یوں سلامِ عقیدت پیش کر رہا ہے ”اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ“، ترجمہ: اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام ہو۔[1]

اِس حدیثِ پاک سے معلوم ہوا کہ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ساری کائنات کے سردار ہیں؛ اِسی لیے بے جان مخلوق بھی آپ کو پہچانتی اور آپ کی بارگاہِ اقدس میں خراجِ عقیدت پیش کرتی ہے۔

خداداد طاقت وقدرت:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مخلوقِ خدا کو، خدا کی عطا سے سب کچھ عطا فرماتے ہیں۔ جس کو جو بھی ملتا ہے درِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مِلتا ہے، یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نظر نہ آنے والی چیزیں مثلاً قوتِ یادداشت بھی عطا فرما دیتے ہیں۔ چناں چہ حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنا واقعہ روایت کرتے ہیں:

---

1 [الجامع للامام الترمذی، باب ماجآء فی مبعث النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ص: ۲۰۳]

میں نے حضور جانِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! میں بار بار آپ کا کلام سماعت کرتا ہوں؛ لیکن بھول جاتا ہوں۔ [حضور! کرم فرمادیں!] یہ سن کر ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنی چادر پھیلاؤ! میں نے اپنی چادر بچھادی، آپ نے دونوں ہاتھوں سے لَپ بنا کر میری چادر میں کچھ ڈالا اور فرمایا: اِسے اپنے سینے سے لگا لو! میں نے سینے سے لگا لیا۔ اُس ایک لَپ کی برکت سے میری قوتِ حافظہ اِس قدر بڑھ گئی کہ اِس نوازش کے بعد مَیں کبھی کچھ نہیں بھولا۔[1]

اِس حدیثِ پاک سے آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ تصرف اور خداداد قدرت ثابت ہوئی کہ آپ نے پَل بھر میں ایسی قوتِ یادداشت سے نواز دیا جو سالہا سال دوائیں کھانے سے بھی حاصل نہ ہوتی۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی عطا کا نتیجہ ہے کہ صحابۂ کرام میں سب سے زیادہ حدیثیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے مروی ہیں۔ اِسی لیے اہلِ سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ

لَا وَرَبِّ الْعَرْش جس کو جو ملا اُن سے مِلا   بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

دستِ اقدس کی عظمت وشان:

حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ گستاخِ رسول ''ابو رافع یہودی'' کو قتل کرنے کے لیے تشریف لے گئے، اُسے واصلِ جہنم کرنے کے بعد جب پلٹے تو ایک حادثے میں آپ کا پیر ٹوٹ گیا۔ اب آگے کا واقعہ اُنھی کی زبانی سنیے! کہتے ہیں:

حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ مقدس میں حاضر ہو کر مَیں نے پورا قصہ عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ٹوٹا ہوا پیر بچھاؤ! میں نے بچھا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس پر اپنا مبارک ہاتھ پھیرا تو وہ ایسا دُرست ہو گیا جیسے اُسے کبھی کوئی تکلیف ہی لاحق نہ ہوئی ہو۔[2]

---

[1] [الصحیح للامام البخاری، ج:۱، باب حفظ العلم، ص:۲۲]

[2] [الصحیح للامام البخاری، ج۲:، باب قتل ابی رافع، ص:۵۷۷]

سبحان اللہ! آج کا انسان بے پناہ سائنسی ترقیوں کے باوجود، جسم کی ٹوٹی ہوئی کسی بھی ہڈی کو اِس انداز سے درست نہیں کرسکتا۔

بے انتہا خیر و برکت:

حدیث کی کتابوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی **شانِ اختیار** کو واضح کرنے والے سیکڑوں واقعات مذکور ہیں۔ ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

حضرت سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں:

میرے والد صاحب کا انتقال اِس حال میں ہوگیا کہ وہ مقروض تھے۔ میں نے حضور جانِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض کی: یارسول اللہ! میرے والد مجھ پر قرض چھوڑ گئے ہیں، اِن کھجوروں کے درختوں کے سِوا میرے پاس دینے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر مَیں اِن کی پیداوار سے دوں تو کئی سالوں میں بھی قرض ادا نہیں ہوگا۔ یارسول اللہ! آپ میرے ساتھ تشریف لے چلیں؛ تا کہ قرض خواہ بدکلامی سے پیش نہ آئیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور کھجور کے ڈھیروں کے اِردگرد چکر لگا کر دعا فرمائی پھر ایک ڈھیری پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا: قرض خواہوں کو ناپ کر دیتے جاؤ! حضرت جابر کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد اور آپ کی دعا کے طفیل کھجوروں میں ایسی برکت نازل ہوئی کہ تمام قرض خواہوں کا قرضہ ادا ہوگیا اور وہ کھجوریں جوں کی توں باقی رہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خداداد اختیار سے کھجوروں کو اِتنا زیادہ کردیا کہ حضرت جابر کے والد کا قرض بھی ادا ہوگیا اور اُن کے اہل و عیال کے کھانے کا انتظام بھی ہوگیا۔ سبحان اللہ!

ہمارے اِمام نے کیا ہی خوب کہا ہے:

جس طرف اُٹھ گئی دَم میں دَم آ گیا   اُس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام

عزت وکرامت کی چابیاں:

بروزِ قیامت عزت و کرامت کی تمام کنجیاں حضور ﷺ کے دستِ اقدس میں ہوں گی۔ چناں چہ حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ حضور تاج دارِ کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا:

❁ حشر کے دن قبر سے سب سے پہلے میں باہر آؤں گا۔ جب لوگ اللہ کی بارگاہ میں جائیں گے تو مَیں اُن کی قیادت کروں گا۔ جب سب لوگ خاموش ہوں گے تو مَیں خطاب کروں گا۔ جب سب کو روکا جائے گا تو مَیں اُن کی شفاعت کروں گا اور جب سب لوگ مایوس ہوں گے تو مَیں اُنھیں خوش خبری سناؤں گا۔ **اُس دن کرامت اور خیر کی کنجیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی** اور اُس دن حمد کا پرچم بھی میرے ہی ہاتھوں میں ہوگا۔[1]

اِسی لیے امامِ اہلِ سنت محدّث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے:

عرشِ حق ہے مَسندِ رِفعت رسول اللہ کی دیکھنی ہے حشر میں عِزّت رسول اللہ کی

زمین کے خزانے:

زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں **ہمارے آقا حضور رحمتِ عالم ﷺ کے مبارک ہاتھوں میں ہیں**۔ حضور ﷺ باذنِ الٰہی جس کو جتنا چاہتے ہیں دیتے ہیں۔ چناں چہ حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

❁ مَیں محوِ خواب [سورہا] تھا کہ زمین کے تمام خزانوں کی جملہ کنجیاں میری خدمت میں پیش کی گئیں اور پھر میرے ہاتھوں میں دے دی گئیں۔ یعنی مجھے اُن کا مالک بنادیا گیا۔[2]

---

۱ [مشکاۃ المصابیح، باب فضائل سید المرسلین، ص ۵۱۴]

۲ [الصحیح للامام مسلم، ج ۱، کتاب المساجد، ص: ۱۹۹]

درختوں کا جذبۂ اطاعت:

''درختوں کے جذبۂ اطاعت'' کے حوالے سے صحابیِ رسول حضرت سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

❁ ایک مرتبہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر کرنے کا شرف مِلا ،اُس سفر میں ہم نے تین تعجب خیز باتیں دیکھیں ۔اُن میں سے ایک بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک درخت کے قریب تشریف لے گئے اور اُس کی ایک شاخ کو پکڑ کر فرمایا: میرے ساتھ چل! **حضور کا حکم سُن کر وہ درخت فرماں بردار اونٹ کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔** پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرے درخت کے پاس جا کر اُس کی ایک شاخ پکڑ کر بولے: **اللہ کے حکم سے میری اطاعت کر! وہ درخت بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پیچھے آنے لگا۔**

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں کو ایک مقام پر لے جا کر فرمایا: **اللہ کے حکم سے ایک دوسرے سے مِل جاؤ! آپ کا حکم سنتے ہی دونوں باہم مِل گئے ۔** حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کی آڑ میں قضاے حاجت فرمائی۔ پھر وہ دونوں درخت آپ کے حکم سے جدا ہو کر اپنی اپنی جگہ چلے گئے۔[1]

❁ اللہ عزوجل نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیسی شان عطا فرمائی، کہ درخت جیسی بے جان مخلوق کو بھی آپ نے چلنا سِکھا دیا۔ **سبحان اللہ**۔

جانوروں کی آہ وفریاد:

بے زبان جانور بھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو کر اپنی پریشانیاں بیان کیا کرتے تھے، اِس طرح کی بہت سی روایتیں ہیں، صرف ایک روایت ملاحظہ فرمائیں:

حضرت سیدنا یعلیٰ بن مُرَّہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

❁ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کہیں جا رہے تھے، ہمارا گزر ایک اونٹ کے قریب سے

---

[1] [مشکاۃ المصابیح، باب فی المعجزات، ص: ۵۳۳، ملخصاً]

ہوا۔ اُس اونٹ نے جیسے ہی سیدِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا، فوراً چیختے ہوئے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا اور آپ کے روبرو اپنی گردن بچھا کر بیٹھ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس کے مالک کو طلب کیا، جب مالک آ گیا تو اُس سے فرمایا: اِسے میرے ہاتھ بیچ دے۔ اُس نے کہا: حضور! یوں ہی قبول فرمالیں! پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس سے کہا:

- اِس اونٹ نے تمھاری شکایت کی ہے کہ تم اِس سے کام زیادہ لیتے ہو اور چارہ کم دیتے ہو۔ **اِس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا کرو۔**[1]

نور کے چشمے:

ہمارے نبی حضور جانِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک انگلیوں سے ایک بار نہیں؛ بلکہ کئی بار پانی کے چشمے جاری ہوئے اور اُس انتہائی پاکیزہ اور صاف و شفاف پانی سے سیکڑوں لوگ سیراب ہوئے۔ یہ، ہمارے آقا حضور سیدِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا عظیم الشان معجزہ ہے۔

حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:

- ''مقامِ زُوراء'' میں آقائے دو عالَم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں پانی کا ایک برتن لایا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے **اپنا دستِ اقدس اُس میں ڈال دیا تو آپ کی مقدس انگلیوں سے پانی پھوٹ پڑا۔** وہ پانی اِس قدر کثیر تھا کہ تقریباً تین سَو لوگوں نے [اُسے پینے اور] اُس سے وضو کرنے کا شرف حاصل کیا۔[2]

- دوسری روایت میں ہے کہ صلحِ حدیبیہ کے موقع پر آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پاکیزہ انگلیوں سے چشموں کی طرح پانی اُبل پڑا، جس سے پندرہ سَو صحابہ نے پیا اور وضو کیا۔ وہ پانی اِس قدر زیادہ تھا کہ اگر ایک لاکھ لوگ بھی ہوتے تو بھی وہ پانی سب کے لیے کافی ہوتا۔[3]

---

۱ [مشکاۃ المصابیح، باب فی المعجزات، ص: ۵۴۰۔ ملخصاً]

۲ [الصحیح للامام البخاری، ج ۱:، باب علامات النبوۃ، ص: ۵۰۴۔ ملخصاً]

۳ [الصحیح للامام البخاری، باب غزوۂ حدیبیہ، ص: ۵۹۸۔ ملخصاً]

خطرناک جانوروں کا جذبۂ اطاعت:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بادشاہت جنگل کے خطرناک درندوں پر بھی ہے، اِسی لیے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبتوں کا خیال رکھتے ہیں۔ اِس سلسلے کے متعدد واقعات سیرت، تاریخ اور حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ صحابیِ رسول حضرتِ سفینہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سرزمینِ روم میں اسلامی لشکر سے بھٹک گئے، **لشکر تلاش کرتے کرتے ایک خطرناک جنگل میں پھنس گئے اور ایک شیر کا سامنا ہوگیا۔** آپ رضی اللہ عنہ نے نہایت سکون واطمینان کے ساتھ اُس شیر سے فرمایا:

''اے شیر! میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلام ہوں''۔

یہ سنتے ہی شیر دُم ہلاتے ہوئے اُن کے قریب آ کر کھڑا ہوگیا اور پھر اُنھیں اسلامی لشکر تک پہنچا کر واپس چلا گیا۔[1]

- یقیناً جو شخص حضور تاج دارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سچا غلام بن جاتا ہے ساری مخلوق اُس کا ادب واحترام کرتی ہے۔

آسمانی دنیا پر حکمرانی:

زمین کی مخلوق کی طرح آسمانی مخلوق مثلاً چاند، سورج اور ستارے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی **اطاعت کرتے ہیں۔** اِس سلسلے کی دو روایتیں پیش ہیں، پڑھیں! اور آنکھوں کو نور اور دل کو سرور کی دولت سے مالا مال کریں۔

- عَنْ اَنَسٍ اَنَّ اَهْلَ مَكَّةَ سَأَلُوْا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ أَنْ يُّرِيَهُمْ آيَةً فَاَرَاهُمُ الْقَمَرَ شِقَّيْنِ حَتّٰى رَأَوْا حِرَاءَ بَيْنَهُمَا۔ ترجمہ: مکۂ مکرمہ والوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: آپ کوئی معجزہ دکھائیں! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنھیں چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھائے یہاں تک اُنھوں نے حرا پہاڑ کو

---

[1] [مشکاۃ المصابیح، باب الکرامات، ص: ۵۴۵]

چاند کے دونوں ٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔ سبحان اللہ ![1]

حضرت اَسما بنتِ عُمَیس رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر وحی نازل ہو رہی تھی اور آپ کا سرِ اقدس حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا، اِس لیے وہ نمازِ عصر نہ پڑھ سکے، یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! علی تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا؛ لہٰذا سورج واپس کر دے! حضرت اسما فرماتی ہیں: میں نے دیکھا کہ **سورج غروب ہو جانے کے بعد دوبارہ طلوع ہو گیا۔**[2]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قانون سازی:

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ کی عطا سے قانون داں بھی ہیں اور قانون ساز بھی؛ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم **جو فرما دیں وہی قانونِ الٰہی ہے اور جو کر دیں وہی خدا کی مرضی ہے۔** حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قول و فعل ہی کا نام **''اسلام''** ہے۔ اِس عقیدے پر صحاحِ ستہ میں درجنوں حدیثیں موجود ہیں۔ صرف ایک حدیث ملاحظہ فرمائیں:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک دیہاتی سے گھوڑا خریدا، اُس کی قیمت چکانے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم گھر کی جانب چل پڑے۔ اُس دیہاتی کو اچھے دام ملنے لگے تو وہ اپنی بات سے مُکَر گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بولا: کیا ثبوت ہے کہ میں نے یہ گھوڑا آپ سے فروخت کیا ہے؟ جب اُس کافر دیہاتی نے گواہ طلب کیے تو حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

میں گواہی دیتا ہوں کہ تو اِس گھوڑے کو رسول اللہ کے مبارک ہاتھوں پر بیچ چکا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن سے فرمایا:

تم نے بغیر دیکھے کیسے گواہی دے دی؟ اُنھوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم آپ پر ایمان

---

۱ [الصحیح للامام البخاری، ج:۱، باب انشقاق القمر، ص:۵۴۶]

۲ [مجمع الزوائد، ج:۸، ص:۲۹۷]

رکھتے اور آپ کی ہر بات کو سچ جانتے ہیں۔ یہ سن حضور ﷺ اِس قدر خوش ہوئے کہ آپ نے حضرت خزیمہ کی گواہی دو گواہوں کے برابر قرار دے دی۔[1]

حضور ﷺ کی قوتِ باصرہ:

ہمارے نبی حضور رحمتِ عالم ﷺ کی "قُوَّتِ بَاصِرَہ"، یعنی دیکھنے کی طاقت کا عالم یہ ہے کہ آپ آگے، پیچھے، دائیں، بائیں، اوپر اور نیچے ہر جانب یکساں دیکھتے ہیں، فرشتوں اور جناتوں کا مشاہدہ کرتے ہیں اور عرشِ اعظم سے لے کر تحت الثریٰ تک ہر شے ملاحظہ فرماتے ہیں: درج ذیل روایت ہمارے اِس عقیدے کو واضح کر رہی ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

- اِنَّ اللّٰہَ رَفَعَ لِیَ الدُّنْیَا فَاِنِّیْ اَنْظُرُ اِلَیْھَا وَاِلٰی مَا ھُوَ کَآئِنٌ فِیْھَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی کَفِّیْ ھٰذِہٖ۔ ترجمہ: بے شک اللہ عزوجل نے دنیا کو اٹھا کر میرے سامنے رکھ دیا تو میں اُسے اور اُس میں قیامت تک ہونے والی تمام چیزوں کو اِس طرح دیکھ رہا ہوں جس طرح اپنی اِس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔ سبحان اللہ![2]

- اِمامِ اہلِ سنت رضی اللہ عنہ نے کیا ہی خوب کہا ہے:

خدا نے کِیا اُن کو آگاہ سب سے   دو عالَم میں جو بھی خفی و جلی ہے

بے نظیر قوتِ سامعہ:

حضور ﷺ کی قُوَّتِ سَامِعہ یعنی سننے کی طاقت بھی بے نظیر ہے۔ آقائے دو عالَم ﷺ اپنی قبرِ انور میں جلوہ افروز ہو کر اپنے ہر امتی کی فریاد کو سنتے اور اُن کے درد کا مداویٰ فرماتے ہیں۔ رحمتِ کونین ﷺ اور دیگر انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام اپنی خداداد "قُوَّتِ سَامِعَہ" سے اُن آوازوں کو بھی سماعت فرمالیا کرتے ہیں، جنھیں آج کی ٹکنالوجی اور جدید سائنسی ایجادات کی

---

۱ [السنن للامام ابی داؤد، کتاب القضا، ص:۵۰۸]

۲ [کنز العمال، ج:۱۱، ص:۴۲۰]

مدد سے بھی نہیں سنا جا سکتا۔

❁ سورۂ نمل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایک امتی، اللہ کے نبی حضرت سیدنا سلیمان بن داؤد علیہما السلام کا واقعہ مذکور ہے کہ اُنھوں نے **چیونٹیوں کی گفتگو سن کر تبسم فرمایا تھا۔**[1]

مفسرینِ کرام فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام نے **"تین میل"** دور سے چیونٹیوں کی گفتگو سماعت فرمالی تھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایک پیغمبر امتی کی قوتِ سماعت کا عالم یہ ہے تو حضور تاج دارِ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قوتِ سماعت کا عالم کیا ہوگا۔ اِس عقیدے کو ثابت کرنے والی ایک روایت ملاحظہ فرمائیں: حضور جانِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

❁ **اِنِّیۡ اَرٰی مَا لَا تَرَوۡنَ وَ اَسۡمَعُ مَا لَا تَسۡمَعُوۡنَ ۔ اَطَّتِ السَّمَآءُ وَ حُقَّ لَهَا أَنۡ تَاِطَّ ۔ وَالَّذِیۡ نَفۡسِیۡ بِیَدِهٖ مَا فِیۡهَا مَوۡضِعُ اَرۡبَعِ اَصَابِعَ اِلَّا وَ مَلَكٌ وَاضِعٌ جَبۡهَتَهٗ سَاجِدًا لِلّٰهِ** ۔ ترجمہ: بے شک میں وہ دیکھتا ہوں جسے تم نہیں دیکھ سکتے اور میں وہ سنتا ہوں جسے تم نہیں سن سکتے۔ آسمان چرچرایا ہے اور اُسے چرچرانا ہی چاہیے! قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! آسمان میں چار انگشت کے برابر بھی کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ اپنی پیشانی رکھ کر، اللہ عزوجل کے حضور سجدہ ریز نہ ہو۔[2]

❁ اعلیٰ حضرت شاہ امام احمد رضا خان رضی اللہ عنہ نے کیا ہی خوب فرمایا ہے:

دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان   کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام

بے مثال قوتِ شامّہ:

اللہ عزوجل نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بے مثال قُوَّتِ شَامَّہ یعنی سونگھنے کی طاقت سے نوازا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قُوَّتِ شَامَّہ کی عظمت کا اندازہ درج ذیل واقعے سے لگایا جا سکتا ہے!

---

۱ [سورۂ نمل، آیت نمبر: ۱۸]

۲ [الجامع للامام الترمذی، باب فی قول النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا، رقم الحدیث: ۲۴۸۲]

اللہ ربُّ العزت نے حضرتِ سیدنا یوسف اور حضرت سیدنا یعقوب علیہما السلام کے قصے میں فرمایا: ترجمہ:[یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہا:] میرا یہ کرتا لے جاؤ! اِسے میرے والد کے منہ پر ڈالو! اُن کی آنکھیں کھُل جائیں گی اور تمام اہلِ خانہ کے ساتھ ہمارے پاس آؤ! جب قافلہ مصر سے جدا ہوا تو[کِنعان سے] یوسف کے والد نے کہا: بے شک میں یوسف کی خوش بو پاتا ہوں، اگر یہ نہ کہو کہ میں سَٹھیا گیا ہوں۔[1]

مفسرینِ کرام فرماتے ہیں کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کی مبارک **قمیص** لے کر اُن کے بھائی **''یہودا''** چلے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے **''کنعان''** سے اُس قمیص کی مہک سونگھ لی، حالاں کہ کنعان وہاں سے سیکڑوں میل کے فاصلے پر تھا۔

جب حضرتِ یعقوب علیہ السلام کی ''قُوَّتِ شَامَّہ'' اِس قدر زائد ہے تو جس پیغمبرِ آخر الزماں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے میں اُنھیں یہ قُوَّت ملی اُن کی ''قُوَّتِ شَامَّہ'' کا عالَم کیا ہوگا؛ لہٰذا ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سونگھنے کی ایسی طاقت دی ہے جو نہ کبھی کسی کو ملی نہ ملے گی۔

حیران کن قوتِ ذائقہ:

قُوَّتِ ذائِقہَ یعنی چکھنے کی طاقت کے لحاظ سے بھی حضور جانِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جملہ فرزندانِ بنی آدم سے نمایاں ہیں، اِس وصف وکمال میں بھی اللہ رب العزت نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے نظیر بنایا ہے۔

شفا شریف میں مذکور ہے:

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر سے واپس تشریف لا رہے تھے تو ایک یہودی عورت نے 'بھنے ہوئے گوشت کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوکر کہا: اِسے تناول فرمالیجیے! صحابۂ کرام کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی شدید بھوک کا احساس تھا۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بعض صحابہ کے ساتھ اُسے

[1] [سورۂ یوسف، آیت نمبر: ۹۴]

تناول کرنے لگے۔ جوں ہی آپ نے اُسے کھایا فوراً اپنے ہاتھوں کو کھینچتے ہوئے فرمایا: اِس میں زہر مِلا ہوا ہے۔[1]

❁ یہ وہ قوتِ ذائقہ ہے کہ کسی اور مخلوق میں جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

تعجب خیز قوتِ لامسہ:

اللہ رب العزت نے "قُوَّتِ لَامِسَہ" یعنی چھونے کی طاقت وتوانائی کو انسان کے پورے جسم میں ودیعت فرمایا ہے؛ مگر ہماری قُوَّتِ لَامِسَہ اور انبیاے کرام کی قُوَّتِ لَامِسَہ میں زمین وآسمان سے بھی زیادہ فرق ہے۔ اور انبیاے کرام علیہم السلام میں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قُوَّتِ لَامِسَہ کا تو کوئی جواب ہی نہیں۔

❁ مسلم شریف کی روایت ہے:

ایک بار اہلِ مدینہ انتہائی خطرناک آواز سے خوف زدہ ہو گئے۔ صحابۂ کرام اُس آواز کی جانب لپکے، راستے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات ہوئی۔ اُس وقت آپ حضرت ابوطلحہ کے گھوڑے پر سوار تھے۔ آپ نے اپنے غلاموں کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: گھبرانے اور ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ پھر فرمایا: میں نے اِس گھوڑے کو سمندر کی طرح رواں دواں پایا۔[2]

حضرت امام نووی نے فرمایا: وہ گھوڑا نہایت سست رفتار تھا؛ مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوار ہونے کی برکت سے وہ نہایت برق رفتار ہو گیا۔ یہ ہے آقاے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قُوَّتِ لَامِسَہ۔

بے مثال لعابِ دہن:

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لعابِ دہن انتہائی خوش بودار، شفا بخش، شیریں اور بے شمار خصوصیات کا حامل تھا۔ جس کھارے کنویں میں ڈالا وہ صبحِ قیامت تک کے لیے شیریں ہو گیا اور جس

۱ [الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، ج:۱، ص:۶۰۷]

۲ [الصحیح للامام مسلم، ج:۲، ص:۲۵۲]

بیمار کو لگایا وہ فوراً شفایاب ہو گیا۔

امامِ اہلِ سنت محدّثِ بریلی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہی خوب فرمایا ہے:

جس سے کھاری کنویں شیرۂ جاں بنیں　　اُس زُلالِ حلاوت پہ لاکھوں سلام
جس کے پانی سے شاداب جان وجناں　　اُس دہن کی طراوت پہ لاکھوں سلام
جس میں نہریں ہیں شیر وشکر کی رواں　　اُس گلے کی نضارت پہ لاکھوں سلام

اختصار کے ساتھ **لُعابِ دہن کی چند برکتیں** ملاحظہ فرمائیے:

جنگِ احد میں حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ کا ڈھیلا نکل کر رخسار پر آپڑا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس ڈھیلے کو آنکھ میں رکھ کر لعابِ دہن لگا دیا، وہ آنکھ پہلے سے زیادہ خوب صورت اور روشن ہو گئی۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کا چہرہ ایک مرتبہ تیر لگنے سے زخمی ہو گیا، حضور سیدِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے زخم پر لعابِ دہن لگا دیا، اُس کی برکت سے فوراً شفا مل گئی، نہ اُس مقام پر دوبارہ تیر لگا اور نہ اُس سے کبھی خون نکلا۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چوٹ پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لعابِ دہن لگا فوراً درد جاتا رہا اور اُسی وقت اُنھیں کامل شفا اور مکمل راحت مل گئی۔

ایک مرتبہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلوار سے زخمی ہو گئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زخم پر اپنا لعابِ شیریں لگا دیا، زخم فوراً ٹھیک ہو گیا۔

جنگِ بدر میں، ابوجہل کے قاتل، حضرت مُعَوّذ بن عفرا رضی اللہ عنہ کا بازو کٹ گیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کٹے ہوئے بازو کو جوڑ کر اپنا لعابِ دہن لگا دیا، وہ ہاتھ اُسی جگہ جُڑ کر بالکل درست ہو گیا اور پہلے کی طرح کام کرنے لگا۔

فتحِ خیبر کے روز حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کی دکھتی آنکھوں میں اپنا لعابِ دہن ڈال کر

اُنھیں ایسی شفا دی کہ خود حضرت علی نے فرمایا: میری آنکھیں ایسی تندرست ہو گئیں کہ جیسے کبھی دُکھی ہی نہیں ہوں۔[1]

❁ آج نادان قسم کے لوگ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہتے نہیں تھکتے۔ اُنھیں غور کرنا چاہیے کہ ہمارے منہ سے روزانہ نہ جانے کتنا لعاب نکلتا ہے؛ لیکن اگر ہم اُسے کسی پانی میں ملا دیں تو اُسے پینے کے لیے کوئی تیار نہ ہو، کھانے میں ڈال دیں تو ہمارے اپنے بھی گِھن کرنے لگیں، جس مجلس میں کھنکھار دیں، لوگ اٹھ کر بھاگ جائیں اور کسی کے زخم پر لگا دیں تو ممکن ہے کہ اُسے نقصان پہنچ جائے۔ **جب کسی انسان کے تھوک کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لعابِ دہن کے مساوی نہیں کہا جا سکتا تو پھر کسی شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مثل کیسے کہا جا سکتا ہے؟** اللہ عزوجل ہدایت نصیب کرے۔

---

[1] [ملخصاً از جواہر البحار فی فضائل النبی المختار، ج:۱،ص:۹۳]

چوتھا باب

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اَخلاقِ عالیہ

عفوودرگزر:

اللہ ربُّ العزت نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صبر وتحمل اور عفوودرگزر کی جس دولتِ بے بہا سے سرفراز فرمایا، وہ بے مثال ہے۔ چناں چہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا:

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ ۝۔ترجمہ:اے محبوب! آپ [خطا کاروں کی طرف سے] معذرت قبول کیجیے! نیک کاموں کا حکم دیجیے اور نادانوں کی طرف سے اپنا رُخِ انور پھیر لیجیے![1]

پروردگارِ عالَم نے اِس آیتِ کریمہ میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت کرتے ہوئے، اُنھیں تین مکارمِ اَخلاق اِختیار کرنے کا حکم دیا۔

[۱] جو قصور وار معذرت طلب کرتا ہوا آپ کے پاس آئے، اُسے شفقت سے معاف کر دیجیے، بدلہ اور انتقام لینے کا اِرادہ نہ کیجیے۔

[۲] لوگوں کو مفید اور عمدہ چیزوں کے کرنے کا حکم دیجیے۔

[۳] جاہل اور ناسمجھ لوگ اگر آپ کو کچھ کہیں تو اُن سے نہ اُلجھیے۔

’’شانِ عفوودرگزر‘‘ کے دو واقعات ملاحظہ فرمائیے:

[۱] جنگ اُحُد میں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رخِ اَنور زخمی ہوگیا تو صحابۂ کرام کو بہت تکلیف

---

[1] [سورۂ اعراف، آیت نمبر:۱۹۹]

ہوئی۔ انھوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! اِن بدکاروں کے خلاف اگر آپ دعا فرمادیں تو غضبِ خداوندی اِن سب کو ملیامیٹ کر دے گا۔ یہ سن کر رحمتِ دو عالَم ﷺ نے اپنے جاں نثار صحابہ سے فرمایا:

اے میرے صحابہ! مَیں لعنت بھیجنے کے لیے [یعنی بد دعا کرنے کے لیے] نہیں بھیجا گیا؛ بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حق کی دعوت دینے والا سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اِس اِرشاد کے بعد حضور رحمتِ دو جہاں ﷺ نے دعا کے لیے اپنے ہاتھ بارگاہِ خداوندی میں اٹھائے اور اُن ظالموں کی تباہی کے بجاے یہ التجا کی:

اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے۔ اے اللہ! اِن کی ظالمانہ حرکتیں اِس لیے ہیں کہ وہ مجھے جانتے نہیں، اگر وہ مجھے پہچان لیتے تو ہرگز ایسا نہ کرتے۔[1]

[۲] ایک دفع اسلامی لشکر جہاد سے واپس آ رہا تھا، گرم لُو اور چلچلاتی دھوپ نے سفر کو اور مشکل بنا دیا تھا، ایک جگہ گھنے درخت تھے، حضور ﷺ نے تمام مجاہدوں کو درختوں کی گھنی چھاؤں میں آرام کرنے کی اجازت دے دی۔ ہر مجاہد مناسب جگہ لیٹ کر سو گیا۔ حضور ﷺ نے بھی ایک جگہ منتخب فرمائی اور آرام فرمانے کے لیے وہاں لیٹ گئے۔ اِسی درمیان **''غورث بن حارث''** نامی ایک مشرک اپنی بے نیام تلوار لے کر وہاں آیا اور حضور ﷺ کو تنہا سمجھ کر حملہ کرنے کے ناپاک اِرادے سے آگے بڑھا۔ آپ بیدار ہو گئے تو اُس نے تلوار لہراتے ہوئے کہا:

مَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّيْ ۔آپ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آقاے کریم ﷺ نے اُس سے متأثر ہوئے بغیر پورے وثوق و اعتماد کے ساتھ فرمایا:

اللہ، یعنی مجھے میرا رب بچائے گا۔ یہ پُرجلال جواب سن کر اُس پر لرزہ طاری ہو گیا اور تلوار اُس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ حضور ﷺ نے تلوار اٹھا کر اُس سے کہا:

---

[1] [ضیاء النبی، ج:۵، ص:۳۰۵]

مَنۡ یَّمۡنَعُكَ مِنِّیۡ۔ اب بتا کہ تجھے میرے وار سے کون بچائے گا؟ اُس نے کہا: آپ دشمنوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں۔ آپ مجھے معاف فرما دیجیے! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے معاف فرما دیا۔ جب وہ شخص اپنی قوم کے پاس پہنچا تو بے ساختہ کہنے لگا: جِئۡتُکُمۡ مِّنۡ عِنۡدِ خَیۡرِ النَّاسِ۔ وہ شخص جو تمام لوگوں میں سب سے بہتر ہے، مَیں اُس کے پاس سے آیا ہوں۔[1]

- یہ تھی ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ کریمی کہ قابو پانے کے بعد آپ اپنے کٹر دشمنوں کو بھی معاف فرما دیا کرتے تھے۔

شانِ جودوکرم:

''سخاوت وفیاضی'' میں کوئی بھی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمسری نہیں کرسکتا۔ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جودوسخاوت کا بے مثال ہونا ایسی حقیقت ہے جس کا کوئی بھی باشعور انسان انکار نہیں کرسکتا۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

- مَا سُئِلَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنۡ شَیۡءٍ وَ قَالَ: لَا۔ ترجمہ: ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی سائل [مانگنے والے] نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ مانگا ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کے جواب میں ''نہ'' فرمایا ہو۔[2]

حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جودوسخاوت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو بھلائی پہنچانے میں ساری دنیا سے زیادہ سخی تھے اور رمضان کے بابرکت مہینے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جودوسخاوت نرالی ہوا کرتی تھی، جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جبریلِ امین سے ملاقات ہوتی اور آپ اُن سے قرآنِ مجید کا دَور فرماتے تو آپ تیز

---

۱ [ضیاء النبی، ج:۵، ص:۳۰۷-۳۰۸]

۲ [الشفاء، ج:۱، ص:۸۲]

چلنے والی ہوا سے بھی زیادہ سخاوت فرماتے۔[1]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ نے کیا ہی خوب فرمایا ہے:

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحیٰ تیرا "نہیں" سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

"جودوسخاوت" سے متعلق دوواقعات ملاحظہ فرمائیں:

[۱] ایک شخص نے حضور ﷺ کے سامنے دستِ سوال دراز کیا [یعنی کچھ مانگا] تو حضور ﷺ کے دستِ جود وسخا نے اُس کو اِتنی بکریاں عطا فرمائیں جن سے دو پہاڑوں کے درمیان کی وسیع وادی بھر گئی۔ وہ شخص لَوٹ کر اپنے وطن آیا اور اُن سے کہا:

اَسْلِمُوْا فَاِنَّ مُحَمَّدًا يُعْطِيْ عَطَاءَ مَنْ لَّا يَخْشٰى الْفَاقَةَ

تم لوگ وقت ضائع کیے بغیر فوراً اسلام قبول کرلو! کیوں کہ محمد ﷺ اُس کی طرح دیتے ہیں جسے فاقے کا کچھ بھی خوف نہیں ہے۔

[۲] ایک مرتبہ بارگاہِ رسالت میں نوے ہزار درہم پیش کیے گئے، حضور ﷺ نے فرمایا: اِنھیں چٹائی پر رکھ دو! پھر آپ اُنھیں تقسیم فرمانے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ جو شخص بھی آتا، اُس کی جھولی بھر کر اُسے واپس کرتے، یہاں تک کہ وہ تمام درہم ختم ہو گئے۔ اُس کے بعد ایک شخص نے آ کر طلب کا دامن پھیلایا۔

❖ آپ نے اُس سے فرمایا:

سارا مال تو ختم ہو گیا، تم ایک کام کرو، فلاں دوکان پر جا کر میرے نام پر اپنی ضرورت کی چیزیں خرید لو! رقم مَیں ادا کر دوں گا۔ وہاں ایک انصاری صحابی حاضر تھے، انھوں نے کہا:

اے اللہ کے پیارے رسول ﷺ! آپ بے دھڑک خرچ کریں اور یہ اندیشہ نہ کریں کہ عرش کا مالک آپ کو تنگ دست کر دے گا۔

اپنے غلام کی یہ بات سن کر حضور ﷺ مسکرانے لگے یہاں تک کہ خوشی کے آثار

[1] [الصحیح للامام البخاری، کتاب بدء الوحی، باب مدارسۃ الوحی القرآن مع النبی، رقم الحدیث:٦]

رخِ انور پر دکھائی دینے لگے، پھر فرمایا:

بِهَذَا أُمِرْتُ: مجھے اِسی بات کا حکم دیا گیا ہے۔[1]

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جو دولت بھی آقاے دو عالم ﷺ کے حصے میں آتی تھی، سرکار علیہ الصلاۃ والسلام بڑی فراخ دلی سے اُسے فقیروں، محتاجوں، یتیموں اور ضرورت مندوں پر خرچ کر دیا کرتے تھے۔ یہ ہے سرکارِ دو عالم ﷺ کی وہ سخاوت جس کی مثال ہمیں کہیں نظر نہیں آتی۔

بے مثال بہادری:

اللہ ربُّ العزت نے اپنے محبوب ﷺ کو ایسی شجاعت و بہادری اور جسمانی طاقت و قوت سے سرفراز فرمایا تھا جسے دیکھ کر لوگ حیران و ششدر رہ جایا کرتے تھے۔ دنیا میں آج تک جتنے بھی بہادر گزرے ہیں، اُن میں سے ہر ایک کا قدم کبھی نہ کبھی پھسلا ضرور ہے۔ صِرف حضور رحمتِ عالَم ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے **جو ہر میدانِ جنگ میں، ہر مشکل گھڑی میں، ہر قسم کے خطرناک حالات میں ثابت قدم رہی۔**

سیرتِ نبوی میں ایسے بیسیوں واقعات درج ہیں جن میں یہ صراحت ہے کہ از حد خطرناک حالات میں بھی آقاے کریم ﷺ نے سینہ سپر ہو کر مصائب و آلام [پریشانیوں اور مصیبتوں] کا مقابلہ کیا ہے۔ سفرِ ہجرت میں، بدر، اُحد، خندق اور حنین جیسے غزوات میں، دشمنوں کے ہجوم میں، تیروں کی بارش میں، ننگی تلواروں کے جھرمٹ میں، حضور ﷺ نے ہر قسم کے خطرات سے بے نیاز ہو کر بے مثال ثابت قدمی کا مظاہرہ فرمایا ہے۔ کسی بھی موقع پر آپ کو پریشان و مضطرب نہیں دیکھا گیا۔

اِسی لیے حضرت سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے:

- مَیں نے رسولِ کریم ﷺ سے زیادہ کوئی شجاع دیکھا ہے نہ بہادر، سخی دیکھا ہے نہ جَلد

[1] [ملخصاً از جواہر البحار فی فضائل النبی المختار، ج: ۳، ص: ۲۰]

راضی ہونے والا، اور نہ کسی کو کسی خوبی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر دیکھا ہے۔[1]

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جسمانی طاقت و قوت سے متعلق صرف ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں!

رکانہ پہلوان جو تنہا دو سَو پہلوانوں کا مقابلہ کر سکتا تھا، اُسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاروں شانے چِت گرایا تھا، یہ واقعہ بڑا مشہور ہے۔ ایک دفعہ رکانہ کا پہلوان بیٹا ''یزید'' حضورِ اقدس کی بارگاہ میں حاضر ہو کر کہنے لگا:

کیا آپ میرے ساتھ کشتی کریں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر مَیں تمھیں گرا دوں تو تم مجھے کیا دو گے؟ اُس نے کہا: ایک سَو بکریاں دوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کے ساتھ کشتی لڑی اور اُسے گرا دیا۔ اُس نے کہا: کیا آپ دوبارہ کشتی لڑیں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: اگر دوسری بار گرا دوں تو کیا دو گے؟ اُس نے کہا: ایک سَو بکریاں دوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کشتی لڑ کر اُسے پھر پچھاڑ دیا۔ اُس نے کہا: ایک بار پھر۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیسری مرتبہ بھی اُسے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔

تیسری مرتبہ شکست کھانے کے بعد بولا: سوائے آپ کے اِس زمین پر کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جس نے میری پیٹھ زمین سے لگائی ہو، ایسی جسمانی طاقت کسی پیغمبر ہی کے پاس ہو سکتی ہے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شجاعت سے اِس قدر متأثر ہوا کہ کلمۂ پاک پڑھ کر دامنِ اسلام سے وابستہ ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس کے سینے سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اُس کی تین سَو بکریاں اُسے واپس کر دیں۔[2]

بے نظیر صفتِ حیا:

شرم و حیا اور پردہ پوشی میں ہمارے نبی حضور رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانوں سے ارفع و اعلیٰ تھے۔ صفتِ حیا میں نہ آپ جیسا کوئی تھا، نہ ہے اور نہ کبھی ہو سکتا ہے۔ پیکرِ شرم و حیا، حبیبِ کبریا

---

۱ [شمائلِ ترمذی، ص: ۶۲۔ بحوالہ ضیاء النبی، ج: ۵، ص: ۳۳۱]

۲ [ملخصاً از ضیاء النبی، ج: ۵، ص: ۳۳۵]

راضی ہونے والا، اور نہ کسی کو کسی خوبی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر دیکھا ہے۔[1]

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جسمانی طاقت وقوت سے متعلق صرف ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں!

رکانہ پہلوان جو تنہا دوسَو پہلوانوں کا مقابلہ کر سکتا تھا، اُسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاروں شانے چِت گرایا تھا، یہ واقعہ بڑا مشہور ہے۔ ایک دفعہ رکانہ کا پہلوان بیٹا ''یزید'' حضورِ اقدس کی بارگاہ میں حاضر ہو کر کہنے لگا:

کیا آپ میرے ساتھ کشتی کریں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر مَیں تمھیں گرا دوں تو تم مجھے کیا دو گے؟ اُس نے کہا: ایک سَو بکریاں دوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کے ساتھ کشتی لڑی اور اُسے گرا دیا۔ اُس نے کہا: کیا آپ دوبارہ کشتی لڑیں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: اگر دوسری بار گرا دوں تو کیا دو گے؟ اُس نے کہا: ایک سَو بکریاں دوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کشتی لڑ کر اُسے پھر پچھاڑ دیا۔ اُس نے کہا: ایک بار پھر۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیسری مرتبہ بھی اُسے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔

تیسری مرتبہ شکست کھانے کے بعد بولا: سوائے آپ کے اِس زمین پر کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جس نے میری پیٹھ زمین سے لگائی ہو، ایسی جسمانی طاقت کسی پیغمبر ہی کے پاس ہوسکتی ہے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شجاعت سے اِس قدر متأثر ہوا کہ کلمۂ پاک پڑھ کر دامنِ اسلام سے وابستہ ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس کے سینے سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اُس کی تین سَو بکریاں اُسے واپس کر دیں۔[2]

بے نظیر صفتِ حیا:

شرم وحیا اور پردہ پوشی میں ہمارے نبی حضور رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانوں سے ارفع و اعلیٰ تھے۔ صفتِ حیا میں نہ آپ جیسا کوئی تھا، نہ ہے اور نہ کبھی ہو سکتا ہے۔ پیکرِ شرم وحیا، حبیبِ کبریا

---

۱ [شمائلِ ترمذی، ص: ۶۲۔ بحوالہ ضیاء النبی، ج: ۵، ص: ۳۳۱]

۲ [ملخصاً از ضیاء النبی، ج: ۵، ص: ۳۳۵]

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی عادتِ کریمہ کے مطابق اگر کسی شخص کو کوئی ناپسندیدہ حرکت کرتے دیکھتے تو اُس کی طرف سے آنکھیں پھیر لیتے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں:

اللہ عزوجل کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک پردہ نشیں کنواری خاتون سے بھی زیادہ حیادار اور شرمیلے تھے، جب کسی چیز کو ناپسند فرماتے تو [زبان سے تو کچھ نہ فرماتے؛ البتہ] اُس [کی وجہ سے ناراضگی] کے آثار چہرۂ اقدس پر نمایاں ہو جاتے [اور صحابۂ کرام سمجھ جاتے کہ مزاجِ اقدس کے خلاف کوئی کام ہوا ہے]۔

اُمُّ المومنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

جب کسی شخص کے بارے میں بارگاہِ رسالت میں کوئی شکایت کی جاتی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس کا علاحدہ ذکر کرکے اُسے شرمندہ نہ کرتے؛ بلکہ یوں فرماتے: کیا ہو گیا ہے کہ لوگ ایسا ایسا کرتے ہیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفتِ حیا کی تفسیر کرتے ہوئے ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے مزید فرمایا:

لَمْ یَکُنِ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَاحِشًا وَّ مُتَفَحِّشًا وَّلَا صَخَّابًا بِالْاَسْوَاقِ وَلَا یَجْزِی بِالسَّیِّئَةِ السَّیِّئَةَ ۔ لٰکِنْ یَعْفُوْ وَ یَصْفَحُ ۔ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زبانِ اقدس پر کبھی بھی کوئی فحش بات نہ لاتے تھے اور نہ بازاروں میں بلند آواز سے بات کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے؛ بلکہ عفو و درگزر سے کام لیتے تھے [معاف فرما دیا کرتے تھے]۔[1]

خلاصۂ کلام یہ کہ ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی دیگر صفاتِ مقدسہ کی طرح صفتِ حیا میں بھی بے مثال ہیں۔ ہمارے امام اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا ہی خوب کہا ہے:

نیچی آنکھوں کی شرم و حیا پر درود   اونچی بینی کی رفعت پہ لاکھوں سلام

[1] [ملخصاً از ضیاء النبی، ج:۵، ص: از ۳۳۷ تا ۳۳۹]

شانِ تواضع:

اہلِ علم جانتے ہیں کہ "تَوَاضُع" [عاجزی وانکساری] اُن پسندیدہ خصلتوں اور عظیم ترین خوبیوں میں سے ایک ہے جن سے متصف ہونے والا بندۂ مومن اللہ عز وجل کا بھی محبوب ہوتا ہے اور بندگانِ خدا بھی اُس سے پیار کرتے ہیں۔

❁ اللہ ربُّ العزت نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جن اَرفع واعلیٰ درجات پر فائز فرمایا ہے وہ کسی پر مخفی نہیں ہیں۔ بارگاہِ رب العالمین میں اِتنا اونچا درجہ رکھنے اور ساری مخلوق کے آقا ومولا ہونے کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں تکبر وغرور کا شائبہ تک نہ تھا۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر قول وفعل میں ہمیشہ ''عاجزی'' کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔

اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ تواضع کے جلووں کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

❁ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سیدنا جبریلِ اَمین علیہ السلام کے ہمراہ تشریف فرما تھے۔ اچانک حضرت اِسرافیل علیہ السلام بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوکر عرض گزار ہوئے:

یارسول اللہ! آپ پر سلام ہو اور آپ کا رب بھی آپ کو سلام فرماتا ہے۔ میں آپ کے رب کی طرف سے آپ کی خدمت میں قاصد کی حیثیت سے حاضر ہوا ہوں۔ میرے اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ مَیں آپ کو یہ اختیار دوں کہ آپ چاہیں تو ایسے نبی بنیں جو عبد ہے اور چاہیں تو ایسے نبی بنیں جو ''بادشاہ'' ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے مشورہ طلب کرنے کے بعد فرمایا: مَیں ایسا نبی بننا چاہتا ہوں جو اپنے خالق ومالک کا بندہ ہو۔ اے عائشہ! اگر میں ایسا نبی بننا پسند کرتا جو بادشاہ ہو تو یہ پہاڑ سونا بن کر میرے ہمراہ چلتے۔[1]

❁ حجۃ الوداع کے موقع پر جب کہ جزیرۂ عرب کے گوشے گوشے سے شمعِ رسالت کے

---

[1] [سبل الہدیٰ، ج ۷: ص ۵۴: بحوالہ ضیاء النبی، ج: ۵، ص: ۳۴۰-۳۴۱]

پروانے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت اور اُن کے ساتھ حج کرنے کی سعادت حاصل کرنے کے لیے جمع ہو گئے تھے۔ اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس اونٹ پر سوار تھے اُس کا کجاوہ پرانا اور بوسیدہ تھا اور جو چادر اُس پر پڑی تھی اُس کی قیمت صرف چار درہم تھی۔ اِس عجز و انکساری کے ساتھ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سراپا عجز و نیاز بن کر اپنے مولائے کریم کی بارگاہ میں یوں عرض کر رہے تھے: **اَللّٰھُمَّ حَجَّۃً مَّبْرُوْرَۃً لَا رِیَآءَ وَّلَا سُمْعَۃً**۔ ترجمہ: اے اللہ! اِس حج کو حجِّ مبرور بنا جس میں کوئی ریا کاری اور شہرت کی خواہش نہ ہو۔[1]

❁ حضور رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ تواضع بیان کرتے ہوئے حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں:

سرکارِ دو عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمین پر بیٹھ جایا کرتے۔ اُس پر کھانا تناول فرماتے، بکری کی ٹانگیں باندھ کر اُس کو دوہتے، دراز گوش پر سواری فرما لیتے اور اگر کوئی غلام دعوت کے لیے عرض کرتا تو قبول فرماتے۔ جس روز یہودیوں کے قبیلے بنی قریظہ پر حملہ کیا گیا، اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے دراز گوش پر سوار تھے جس کے منہ میں ایسی لگام تھی جو کھجوروں کے پتوں کو بٹ کر بنائی گئی تھی اور اُس کے اوپر جو چٹائی تھی وہ بھی کھجوروں کے پتوں سے بنائی گئی تھی۔[2]

❁ وہ ذاتِ پاک کہ زمین، آسمان اور پہاڑ جس کے ادنیٰ اشارے کے منتظر رہتے ہوں اُس کی ''**تواضع**'' کی یہ شانیں درحقیقت فخرِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقی عظمتوں اور سچی رفعتوں کی شاہدِ عدل ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سارے کام اِس لیے کرتے؛ تاکہ اپنے امتیوں کو تواضع کا طریقہ سکھائیں اور تکبر سے باز رہنے کی عَمَلی تلقین فرمائیں۔

❁ اللہ عز وجل اپنے حبیب حضور رحمتِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے میں ہم غلاموں کو بھی ''تکبر و

---

۱ [ضیاء النبی، ج:۵، ص:۳۴۱]

۲ [ضیاء النبی، ج:۵، ص:۳۴۲]

غرور'' سے محفوظ فرما کر ''عجز وانکساری'' کے ساتھ زندگی گزارنے کی توفیق مرحمت فرمائے! آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

صفتِ مزاح وخوش طبعی:

خوش طبعی انسان کے ''مُنکَسِرُ المِزَاج'' ہونے کی واضح دلیل ہے۔ حضورِ اقدس ﷺ اپنے جاں نثار صحابہ کے ساتھ **انتہائی پاکیزہ خوش طبعی** کے ساتھ پیش آیا کرتے تھے۔ اُن کے ساتھ بلا تکلُّف گفتگو فرماتے، اُن سے میل جول رکھتے، اُن کے بچوں سے کھیلتے اور اُن کو اپنی مقدس گود میں بٹھاتے تھے۔ اِن خوبیوں کے سبب تمام مسلمان حضور ﷺ کو اپنے باپ جیسا سمجھتے اور حضور ﷺ کی محبت میں اپنا سب کچھ قربان کرنے کو باعثِ صد افتخار سمجھتے تھے۔

اللہ ربُّ العزت نے اپنے محبوب کی اِس ادائے دل نوازی کو اِس آیتِ کریمہ میں بڑے پیارے انداز میں بیان فرمایا ہے:

۞ فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ ترجمہ: پس اللہ کی بے پایاں رحمت کے سبب آپ اُن کے لیے نرم دل واقع ہوئے ہیں، اگر آپ تند مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے آس پاس سے منتشر ہو جاتے۔[1]

حضور ﷺ کی ''**خوش طبعی**'' سے متعلق ''دو واقعات'' ملاحظہ فرمائیں!

[1] ''**زہیر بن حرام**'' نامی حضور ﷺ کے **ایک محبوب دیہاتی صحابی** تھے۔ یہ جب بھی حاضر ہوتے، صحرا کی عمدہ سبزیاں اور لذیذ پھل حضور ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں بطورِ ہدیہ پیش کرتے۔ حضور ﷺ اُنھیں شہر کی قیمتی چیزیں عنایت فرماتے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ بازار تشریف لے گئے، دیکھا کہ زُہَیر سامان فروخت کررہے ہیں۔ حضور ﷺ نے اپنے اُس غلام کو پیچھے سے اپنے بازوؤں میں لے لیا۔ زہیر نے توجہ کی تو معلوم ہوا کہ آقائے کریم ﷺ اُس کے ساتھ لطف وکرم

---

[1] [سورۂ آلِ عمران، آیت نمبر:۱۵۹]

فرما رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے اپنے اُس غلام کو خوب برکتوں سے نوازا، پھر ارشاد فرمایا:

''ہے کوئی جو اِس غلام کو خریدے؟''

زہیر نے کہا: یا رسول اللہ! اگر آپ مجھے فروخت کریں گے تو مجھے کھوٹا پائیں گے جس کی کوئی قیمت نہ ہوگی۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے از راہِ بندہ نوازی فرمایا: اے زہیر! تم کھوٹے نہیں؛ بلکہ اللہ عزوجل کے نزدیک بڑے قیمتی ہو۔ [1]

❁ یہ تھی کائنات کے آقا ﷺ کی شانِ تواضع کہ معاشرہ میں جن بدّوؤں کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی، جنھیں نظرِ حقارت سے دیکھا جاتا تھا حضور ﷺ اُن کے ساتھ بھی لطف و کرم فرما کر اُن کی حوصلہ افزائی فرمایا کرتے تھے۔

[2] ''عبد اللہ'' نامی ایک عاشقِ رسول کا طریقۂ کار یہ تھا کہ جب بھی بارگاہِ رسالت میں حاضری دیتے، ایک کُپّی گھی یا شہد قرض لاکر حضور ﷺ کی بارگاہ میں پیش کر دیتے۔ جب اُس کُپّی کا مالک قیمت طلب کرتا تو وہ عاشق حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کرتے: حضور! جو شہد میں نے پیش کیا تھا، یہ اُس کا مالک ہے، یہ قیمت کا مطالبہ کر رہا ہے۔ حضور! قیمت بھی آپ ہی ادا فرما دیجیے! آقائے کریم ﷺ اپنے غلام کی اِس ظرافت پر ناراضگی کا اظہار نہ فرماتے؛ بلکہ مسکرا کر اُس کی دل جوئی فرماتے اور حکم دیتے کہ قیمت ادا کر دی جائے۔ [2]

❁ حضور ﷺ کو اللہ ربُّ العزت نے وہ رُعب و دبدبہ عطا فرمایا تھا کہ جو شخص بھی سامنے آتا وہ شدتِ خوف سے لرزنے لگتا۔ اس لیے اگر حضور ﷺ صحابۂ کرام سے خوش طبعی کا مظاہرہ نہ فرماتے تو لوگ خوف کے مارے آپ کے قریب آنے کی بھی جرأت نہ کر پاتے۔

---

۱ [ملخصاً از ضیاء النبی، ج:۵،ص:۳۵۴]

۲ [ملخصاً از ضیاء النبی، ج:۵،ص:۳۵۵]

شفقت ورحمت:

اللہ ربُّ العزت نے اپنے محبوب دانائے غیوب ﷺ کو"ساری کائنات" کے لیے "سراپا رحمت" بنا کر بھیجا ہے۔ اِسی لیے حضور رحمتِ عالَم ﷺ نے خلقِ خدا پر انتہائی شفقت کا معاملہ فرمایا۔ اپنے تو خیر اپنے ہیں، غیروں کو بھی اُن کی صفتِ رحمت سے حصہٗ وافر ملا ہے۔ آج دنیا میں جہاں کہیں بھی رحمت وشفقت کے جلوے نظر آرہے ہیں، یہ حضور اقدس ﷺ کی تعلیمات کا صدقہ اور آپ کے ارشادات کا فیض ہے۔ قرآنِ کریم کی بہت سی آیاتِ کریمہ میں حضور ﷺ کی اِس صفتِ جلیلہ کو بیان کیا گیا ہے۔ دو آیاتِ کریمہ ملاحظہ فرمائیں:

❁ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ۝

ترجمہ: [اے میرے بندو!] تمھارا مشقت میں مبتلا ہونا میرے محبوب پر گراں گزرتا ہے۔ وہ تمھاری بھلائی کے بہت زیادہ خواہش مند ہیں۔ مومنوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والے اور ہمیشہ رحم کرنے والے ہیں۔ [۱]

❁ وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ۝ ترجمہ: اے محبوب! ہم نے آپ کو سارے جہانوں کے لیے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ [۲]

حضور ﷺ کی "شانِ شفقت و رحمت" پر ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں! یہ واقعہ اگر ایک جانب خلقِ خدا پر حضور ﷺ کی شفقت و رحمت کو واضح کر رہا ہے تو دوسری جانب اُس انتہائی گہرے تعلّق کو بھی اُجاگر کر رہا ہے جو حضور ﷺ کو اپنی پیاری امت سے ہے۔

❁ ایک مرتبہ ایک دیہاتی حضور ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا: مجھے کوئی چیز دی جائے! حضور ﷺ نے اُسے دے کر دریافت کیا: "مَیں نے تیرے ساتھ کوئی

۱ [سورۂ توبہ، آیت نمبر: ۱۲۸]

۲ [سورۂ انبیاء، آیت نمبر: ۱۰۷]

احسان کیا''؟ اُس نے کہا: نہ آپ نے میرے ساتھ کوئی احسان کیا اور نہ ہی کوئی قابلِ تعریف بات کی۔ اُس کے اِس گستاخانہ جملے کو سُن کر صحابۂ کرام اُس کا سر قلم کرنے کے لیے دوڑے؛ مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنھیں روکتے ہوئے فرمایا:

خبردار! کوئی آگے نہ بڑھے۔ اِس ارشاد کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس بَدُّو کو لے کر کاشانۂ اقدس [گھر] پر تشریف لائے اور اُس کو اِتنا دیا کہ اُس کی جھولی بھر گئی۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس سے دریافت کیا: کیا اب مَیں نے تیرے ساتھ کوئی احسان کیا؟ اُس نے کہا: ہاں! **یارسول اللہ!** آپ نے بڑا احسان کیا، اللہ تعالیٰ آپ کو میرے اہل وعیال اور میرے قبیلے کی جانب سے جزاے خیر عطا فرمائے! یہ سن کر حضور رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمھاری بات سے میرے صحابہ کو بڑا دُکھ پہنچا ہے، لہٰذا تم یہی بات اُن کے سامنے کہہ دو؛ تاکہ اُن کے دلوں سے خَلِش نکل جائے۔

❁ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے اپنے صحابہ کے درمیان لاکر فرمایا: اِس نے کل جو بات کہی تھی تم نے سنی تھی؛ لیکن مَیں نے گھر لے جاکر اِسے اور دیا ہے اور اب یہ مجھ سے راضی ہوگیا ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس سے مخاطِب ہوئے: کیا میری بات درست ہے؟ اُس نے کہا: ہاں! یارسول اللہ! مَیں راضی ہوگیا ہوں۔ **جَزَاكَ اللّٰهُ مِنْ اَهْلٍ وَّ عَشِيْرَةٍ خَيْرًا**۔ حضور! جو آپ نے عطا فرمایا ہے، اُس سے میرے قبیلے کی محتاجی دور ہوجائے گی۔ اِس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

❁ کل اِس شخص کی گستاخانہ بات سُن کر تم اِسے قتل کرنے کے لیے دوڑے تھے، اگر مَیں درمیان میں رکاوٹ نہ بنتا اور تم اِسے قتل کردیتے تو اِس کا ٹھکانہ جہنم ہوتا۔ میں نے حکیمانہ انداز سے اِسے بارگاہِ رسالت کی تعظیم بتائی، جس کے سبب یہ جہنم سے بچ کر رحمتِ الٰہی کا مستحق قرار پایا۔[1]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ شفقت ورحمت صرف اَپنوں تک محدود نہیں؛ بلکہ غیروں پر بھی آپ کا ابرِ رحمت جھما جھم برستا ہے اور آقاے دو عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چشمۂ رحمت سے ''صرف انسان'' ہی

---

[1] [ملخصاً از جواہر البحار فی فضائل النبی المختار، ج:۳،ص:۱۹-۲۰]

سیراب نہیں ہوتے ؛ بلکہ اُس سے پرندے اور دیگر حیوان بھی خوب خوب فیض یاب ہوتے ہیں۔
چند واقعات ملاحظہ فرمائیں:

حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے ایک مقام پر قیام فرمایا۔ وہاں ایک چڑیا کا گھونسلا تھا۔ کسی شخص نے اُس گھونسلے سے اُس کے انڈے اُٹھا لیے۔ وہ چڑیا اپنی فریاد لے کر حضور ﷺ کے پاس آئی اور آپ کے سرِ اقدس پر چکر لگانے لگی۔ حضور ﷺ نے اپنے غلاموں سے پوچھا: کس نے اِس کے انڈے اٹھا کر اِسے تکلیف پہنچائی ہے؟ ایک صحابی نے عرض کی: یا رسول اللہ! اِس کے انڈے مَیں نے اُٹھائے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: جاؤ اور اِس کے انڈے اِس کے گھونسلے میں رکھ دو۔[۱]

حضرت عبداللہ بن ابوبکر بن حزم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

فتحِ مکہ کے موقع پر، مقامِ عرج سے روانہ ہوتے ہوئے حضور ﷺ نے ایک کتیا دیکھی، جس کے چھوٹے چھوٹے بچے اُس کا دودھ پی رہے تھے اور وہ غُرّا رہی تھی۔ سرکارِ دو عالَم ﷺ نے ایک صحابی کو حکم دیا کہ وہ اُس کتیا اور اُس کے بچوں کی حفاظت کے لیے کھڑا رہے؛ تا کہ کوئی لشکری اُنھیں تکلیف نہ پہنچائے۔[۲]

ایک بار حضورِ اقدس ﷺ ایک انصاری صحابی کے باغ میں تشریف لے گئے، وہاں ایک اونٹ کھڑے ہو کر چیخیں مار رہا تھا، جب اُس نے حضور ﷺ کو دیکھا تو ایک دَم بلبِلا نے لگا [اپنی زبان میں فریاد کرنے لگا] اور اُس کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضور رحمتِ عالَم ﷺ نے قریب جا کر اُس کے سَر اور کنپٹی پر اپنا دستِ شفقت پھیرا تو وہ سکون پا کر بالکل خاموش ہو گیا۔

---

۱ [ملخصاً از ضیاء النبی، ج:۵، ص:۳۶۲]

۲ [ملخصاً از ضیاء النبی، ج:۵، ص:۳۶۳]

پھر آپ نے لوگوں سے دریافت فرمایا کہ اِس اونٹ کا مالک کون ہے؟ لوگوں نے ایک انصاری کا نام بتایا۔ حضور ﷺ نے فوراً اُسے بلوایا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اِن جانوروں کو تمھارے قبضے میں دے کر اِن کو تمھارا محکوم بنا دیا ہے؛ لہٰذا تم پر جانوروں پر رحم کرنا لازم وضروری ہے۔ اِس اونٹ نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اِس کو بھوکا رکھتے ہو اور اِس کی طاقت سے زیادہ کام لے کر اِسے تکلیف پہنچاتے ہو۔ [1]

حدیث اور سیرت کی کتابوں میں اِس قسم کے سیکڑوں واقعات موجود ہیں جن سے نہ صرف یہ کہ حضور رحمتِ عالَم ﷺ کی شانِ شفقت ورحمت ثابت ہوتی ہے؛ بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ

- تمام حیوانات حضورِ اقدس ﷺ کو جانتے، پہچانتے اور یہ مانتے ہیں کہ آپ ہی نبیِّ آخر الزماں اور خاتمِ پیغمبراں ہیں۔
- جملہ حیوانات تسلیم کرتے ہیں کہ ہر طرف حضور ﷺ کے امر ونہی کی حکمرانی اور اقتدار و تصرفات کی سلطانی قائم ہے۔
- جملہ حیوانات و بہائم حضور ﷺ کے ہر فرمان کو اپنے لیے واجب الایمان اور لازم العمل سمجھتے ہیں۔
- سب چرند و پرند حضور ﷺ کی تعظیم کو اپنے لیے سرمایۂ حیات تصور کرتے ہیں۔ اے کاش! اِس زمانے کے کلمہ پڑھنے والے مسلم نُما انسان بھی اِن بے زبان جانوروں سے رسولِ پاک صاحبِ لولاک ﷺ کے ادب و احترام کا درس لیتے اور دل و جان سے حضور ﷺ کی عظمت و شان پر قربان ہوتے۔

---

[1] [السنن للامام ابی داؤد، باب مایؤمر بہ من القیام علی الدواب والبہائم، رقم الحدیث: ۲۵۵۰]

وعدے کی پاسداری:

وعدہ کی پابندی کرنا بھی درختِ اَخلاق کی ایک بہت ہی اہم اور نہایت ہی ہری بھری شاخ ہے۔ اِس سے محروم انسان نہ ہی ایمان کے کمال تک پہنچ پاتا ہے اور نہ ہی معاشرے میں سرخروئی حاصل کر پاتا ہے۔ اِس صفتِ جلیلہ میں بھی حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''اپنی مثال آپ'' ہیں۔ حدیث و سیرت کی کتابیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ ایفاے عہد کے کئی نورانی واقعات سے چمک رہی ہیں۔ دو واقعات ملاحظہ فرمائیں:

حضرت ابوالحمساء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

[1] اعلانِ نبوت سے پہلے میں نے آقاے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ سامان خریدا، اِس سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کچھ رقم میرے ذمے باقی رہ گئی۔ مَیں نے کہا کہ **آپ یہیں ٹھہریے! مَیں گھر سے رقم لاکر ابھی اِسی جگہ آپ کو دیتا ہوں۔** حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسی جگہ ٹھہرے رہنے کا وعدہ فرمالیا؛ مگر مَیں گھر آکر اپنا وعدہ بھول گیا۔ **تین دن کے بعد** مجھے اچانک یاد آیا کہ مَیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ وعدہ کر کے آیا ہوں کہ آپ میرا انتظار کریں، مَیں بقیہ رقم لاکر دیتا ہوں۔

جب رقم لے کر مَیں اُس جگہ پہنچا تو [میری حیرت کی انتہا نہ رہی، مَیں نے] **دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسی جگہ میرا انتظار فرمارہے ہیں۔** مجھے دیکھ کر حضور رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی اقدس پر ذرا بھی بَل نہیں آیا۔ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی ناراضگی کا اظہار کیے بغیر اپنے مَن موہنے والے انداز میں صرف اتنا فرمایا:

❁ **يَا فَتٰى قَدْ شَقَقْتَ عَلَيَّ وَ اَنَا هٰهُنَا مُنْذُ ثَلَاثٍ اَنْتَظِرُكَ**۔ ترجمہ: اے نوجوان! تم نے تو مجھے مشقت میں ڈال دیا؛ کیوں کہ مَیں اپنے وعدے کے مطابق تین دن سے یہاں تمھارا انتظار کر رہا ہوں۔[1]

---

[1] [الشفا بتعریفِ حقوق المصطفیٰ، ج:۱، ص:۱۶۵]

[2] جنگِ بدر کے موقع پر حضرت حذیفہ اور حضرت ابو حسیل نامی دو صحابی کہیں سے آ رہے تھے۔ راستے میں کفار نے اِنھیں روکا اور کہا: تم دونوں محمد [صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم] کی مدد کرنے جا رہے ہو۔ اُنھوں نے انکار کیا اور جنگ میں شریک نہ ہونے کا عہد کیا۔ جب یہ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور پورا واقعہ بیان کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُنھیں صفوں سے الگ کر دیا اور کہا: ''ہم ہر حال میں عہد کی پاسداری کریں گے''۔ [۱]

❁ دشمنوں کے عظیم الشان لشکر کے سامنے ایک ایک سپاہی کتنا قیمتی ہوتا ہے یہ دنیا جانتی ہے؛ مگر تاجِ دارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی کمزور فوج کو دو بہادر مجاہدوں سے محروم رکھنا تو پسند فرما لیا؛ مگر کوئی مسلمان کسی کافر سے بھی بدعہدی کرے اِسے گوارا نہ کیا۔

شفقت وصلہ رحمی:

حضور رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی ازواجِ مطہرات، اپنے اَصحاب، اپنے اَحباب، اپنے رشتے داروں اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حتّٰی کہ اپنے رشتے داروں کے احباب کے ساتھ بھی صلہ رحمی فرماتے تھے اور سب کے ساتھ **ایسی ملن ساری کا برتاؤ کرتے تھے کہ ہر ایک آپ کے اَخلاقِ حسنہ کا گرویدہ اور مَدّاح تھا۔**

خادمِ خاص حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ

❁ مَیں نے دس سال تک سفر وحضر [وطن] میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت کا شرف حاصل کیا؛ مگر کبھی بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نہ مجھے ڈانٹا، نہ جھڑکا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تو نے فلاں کام کیوں کیا اور فلاں کام کیوں نہیں کیا؟ [۲]

حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی فرماتے ہیں:

---

۱ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص: ۱۷۸]

۲ [شرح الامام الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ، ج: ۴، ص: ۲۶۶]

بارگاہِ رسالت میں جب کوئی شخص ہدیہ پیش کرتا تو حضور ﷺ فرماتے: یہ فلاں خاتون کو پہنچادو؛ کیوں کہ وہ میری شریکۂ حیات خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی سہیلی ہے اور خدیجہ سے محبت کرتی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے، آپ فرماتی ہیں:

حضور ﷺ جب کوئی بکری ذبح کرتے تو اُس کا گوشت ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کی طرف بھیجا کرتے۔ ایک دفع اُن کی بہن حضور ﷺ سے ملاقات کرنے کے لیے آئیں تو حضور ﷺ نے بڑی خوشی سے اُن سے ملاقات کی اور اُن کی باتیں سنیں۔

ایک دن ایک خاتون حاضرِ خدمت ہوئیں، حضور ﷺ نے اُن کی آمد پر بڑی مسرت کا اظہار فرمایا اور اُن کے حالات اَحسن طریقے سے دریافت کیے۔ جب وہ چلی گئیں تو آپ نے فرمایا: یہ وہ خاتون ہے جو [میری بیوی] خدیجہ رضی اللہ عنہا کے زمانے میں اکثر حاضر ہوا کرتی تھی۔[1]

جو پیغمبر اپنی مقدس بیویوں کی سہیلیوں کے ساتھ اِس قدر حسنِ سلوک کا مظاہرہ کرتے ہوں، وہ خود اپنی بیویوں کے ساتھ کس حسنِ معاشَرت سے پیش آتے ہوں گے، اِس کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

غزوۂ ہوازِن کے جنگی قیدیوں میں حضور ﷺ کی رضاعی بہن شیما بھی شامل تھیں۔ اُنھوں نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں آکر عرض کیا:

حضور! مَیں آپ کی رضاعی بہن شیما ہوں۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے اُن کے لیے اپنی چادر بچھائی، اُن کو چادر کے اوپر بٹھایا، پھر اُن سے فرمایا:

اگر تم پسند کرو تو ہمارے پاس ہی قیام کرو، ہم تمھاری عزت وتکریم کریں گے اور تمھارا پورا خیال رکھا جائے گا اور اگر واپس اپنے گھر والوں کے پاس جانا چاہو تو ہم انعام واکرام کے ساتھ

[1] [ملخصاً از ضیاء النبی، ج:۵، ص:۳۶۴]

واپس کردیں گے۔انھوں نے عرض کی:

یا رسول اللہ! مَیں اپنے اہلِ خانہ کے پاس جانا چاہتی ہوں۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساز و سامان دے کر اُنھیں عزت واحترام کے ساتھ واپس جانے کی اجازت دے دی۔[1]

شانِ صداقت وامانت:

اِعلانِ نبوت سے پہلے ہی آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے معاشرے میں **''امین وصادق''** کے اَلقاب سے مشہور ومعروف تھے۔امانت، پاکیزگی، سچائی اورعدل محبوبِ ربُّ العالمین کی وہ صفات ہیں کہ اُن کے خون کے پیاسے اور اسلام کا نام ونشان مٹانے کے لیے جان کی بازی تک لگادینے والے کٹّر دشمنانِ دین بھی اِن صفات کا انکارنہیں کرسکتے تھے؛ بلکہ بابانگِ دہل یہ تسلیم کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ سچا اورامین کوئی نہیں ہے۔

اب چند ایسے شواہد پیش کیے جارہے ہیں،جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعلانِ نبوت سے قبل ہی''امین وصادق''کے گراں قدر اَلقاب سے معروف تھے۔

شاہدِ اوّل: جب کعبہ شریف کی پہلی عمارت پے در پَے سیلابوں سے شکستہ ہوگئی تو اہلِ مکہ نے اُسے ازسرِ نَو تعمیر کرنے کا پروگرام بنایا۔جب اُس کی بنیادیں مقامِ حجرِ اسود تک پہنچ گئیں تو ہر قبیلہ حجرِ اسود کو اُس کے مقام پر رکھنے کا شرف حاصل کرنے کا خواہش مند ہوا۔بات اِس قدر بڑھی کہ اُن کے درمیان خون ریز جنگ ہونے کی نوبت آ گئی۔بالآخر سب نے اِس تجویز سے اتفاق کیا کہ کل صبح جو شخص سب سے پہلے حرم میں داخل ہوگا اُس کا فیصلہ تمام قبیلے والے دل وجان سے تسلیم کریں گے۔

چناں چہ سب لوگ شدت کے ساتھ صبح کا انتظار کرنے لگے،جب صبح ہوئی تو کیا دیکھتے ہیں کہ حرم میں سب سے پہلے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داخل ہوئے ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر سب کے دل مطمئن ہوگئے اوروہ سب کے سب بے ساختہ پکار اُٹھے:

---

[1] [ملخصاً از ضیاء النبی،ج:۵،ص:۳۶۵]

❁ هٰذَا مُحَمَّدٌ الْاَمِيْنُ قَدْ رَضِيْنَا بِهٖ ۔ یہ محمد مصطفیٰ ہیں جو امین ہیں، ہم اِن کے فیصلے سے راضی ہیں۔

یہ، اِس بات کی پختہ دلیل ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس شہر میں اپنا بچپن، لڑکپن اور جوانی گزاری تھی، اُس شہر کے لوگ آپ کی صداقت وامانت کے قائل تھے۔[1]

شاہدِ دوم: ابوجہل جیسا دشمنِ حق بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کو تسلیم کرتا تھا۔ سیدنا علی مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن ابوجہل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: ہم آپ کو نہیں جھٹلاتے ؛ بلکہ اُس دین کو جھٹلاتے ہیں جو آپ لے کر آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کی اِس بات کی تصدیق کرتے ہوئے یہ آیتِ کریمہ نازل کی:

❁ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ۝ ترجمہ: اے محبوب! وہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے ؛ لیکن یہ ظالم لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔[2]

شاہدِ سوم: ایک مرتبہ اخنس بن شریق کی، ابوجہل سے تنہائی میں ملاقات ہوئی، اُس نے ابوجہل سے پوچھا: اے ابوالحکم! ہم یہاں تنہا ہیں، کوئی تیسرا ہماری گفتگو نہیں سن رہا۔ بتاؤ! محمد [صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ وہ سچے ہیں یا جھوٹے؟ ابوجہل نے کہا: خدا کی قسم یقیناً محمد [صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] سچے ہیں اور آج تک محمد [صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] نے جھوٹ نہیں بولا۔[3]

❁ اِس سے پتہ چلا کہ ابوجہل جیسا ملعون و مردود دشمنِ رسول بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''صادق'' تسلیم کرتا تھا، البتہ عناد و سرکشی کے سبب ایمان کی دولت سے محروم رہا۔

---

۱ [تہذیب السیرۃ للامام ابن ہشام، ص:۵۵]

۲ [سورۂ اَنعام، آیت نمبر: ۳۳]

۳ [ملخصاً از ضیاء النبی، ج:۵، ص:۳۷۹]

شانِ زہدوقناعت:

سب سے پہلے زُہد کا مفہوم ذہن نشین کر لیں؛ تاکہ حضور ﷺ کی زاہدانہ شان کا صحیح طور پر اندازہ ہو سکے۔ علماے کرام نے ''زُہد'' کی تشریح اِن الفاظ میں کی ہے:

''اللہ تعالیٰ کے پاس جو ابدی نعمتیں اور سرمدی راحتیں ہیں اُن کو حاصل کرنے کے لیے دنیا کے سامانِ عیش و عشرت سے دست بردار ہو جانا''۔

نبی کریم ﷺ کی ساری زندگی اِسی زُہد سے عبارت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے تمام خزانوں کی کنجیاں اپنے حبیب کے حوالے کر دی تھیں؛ لیکن حضور ﷺ نے اللہ عزوجل کی محبت میں، اُن تمام نعمتوں کو پسِ پشت ڈال کر عُسرَت [تنگی] کی زندگی بَسَر فرمائی۔

ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور سیدِ عالم ﷺ کی شانِ زہد کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتی ہیں:

مَا شَبِعَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ تِبَاعًا مِّنْ خُبْزٍ حَتّٰی مَضٰی لِسَبِیْلِهٖ۔

ترجمہ: رسولِ کریم ﷺ نے اپنی پوری حیاتِ طیبہ میں، کبھی بھی مسلسل تین دنوں تک پیٹ بھر کھانا نہیں کھایا۔[1]

اِس روایت سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی ذاتِ اقدس کو زاہدانہ زندگی گزارنے کا خوگر بنا لیا تھا۔

رسولِ کونین ﷺ کی زاہدانہ حیاتِ طیبہ پر ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

حضور ﷺ عام طور پر کھردُرے پٹھے سے بٹی ہوئی چارپائی پر آرام فرمایا کرتے تھے، جب آپ اُس پر لیٹتے تو اُس کے نشانات جسمِ اطہر پر نمایاں ہو جاتے۔

ام المومنین حضرتِ حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

---

1 [الصحیح للامام مسلم، کتاب الزھد والرقائق، رقم الحدیث: ۷۶۳۴]

ہمارے پاس ایک چادر تھی جس کو ہم دوہرا کر کے بستر پر بچھاتے تھے۔ایک دن ہم نے اُسے چوہرا کر کے بچھا دیا؛ تاکہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آرام سے استراحت فرماسکیں۔جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا: آج رات تم نے کیسا بستر لگایا تھا؟ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہی چادر چوہری کر کے بچھادی تھی۔یہ سن کر آپ نے فرمایا: ایسا نہ کیا کرو! بلکہ پہلے کی طرح دوہری کر کے بچھایا کرو؛ کیوں کہ آج رات بستر کے زیادہ نرم ہونے کے سبب مَیں رات کو جاگ [کر اللہ عز وجل کی عبادت] نہیں [کر] سکا۔[1]

حضور رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم **کی فاقہ کشی، اختیاری تھی، نہ کہ اضطراری [مجبوراً]**۔سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عَمَداً [جان بوجھ کر] دنیا کی تمام نعمتوں کو ترک کیا؛ تاکہ قربِ اِلٰہی کی نعمت سے مالا مال ہوں اور جس کریم رب نے اُنھیں ''امام الانبیاء'' بنایا، اُس رب کی زیادہ سے زیادہ رضا اور خوش نودی حاصل کرسکیں۔خود سرکارِ دو عالَم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

❁ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھ سے فرمایا: اگر تم چاہو تو مَیں مکہ کے پہاڑوں کو سونا بنا دوں! مَیں نے عرض کی: یارب العالمین! مجھے اِس کی خواہش نہیں۔میری آرزو تو یہ ہے کہ مَیں ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن کھانا کھاؤں۔جس روز فاقہ کروں، اُس روز تیری بارگاہ میں عجز و نیاز کا ہدیہ پیش کروں اور تیری یاد میں مصروف رہوں اور جس روز سیر ہو کر کھاؤں اُس دن تیرا شکر ادا کروں اور سارا وقت تیری حمد و ثنا میں گزاروں۔[2]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جان بوجھ کر دنیا کو ٹھوکر ماری، اِس پر ایک ایمان افروز واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔ایک روز حضرت سیدنا جبریلِ امین علیہ السلام بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے:

---

۱ [ضیاء النبی، ج:۵، ص:۳۷۳]

۲ [سبل الہدیٰ، ج:۷، ص:۱۲۳]

❁ اِنَّ اللّٰہَ یُقْرِئُكَ السَّلَامَ وَیَقُوْلُ لَكَ أَتُحِبُّ أَنْ اَجْعَلَ هٰذِهِ الْجِبَالَ ذَهَبًا وَ تَكُوْنُ مَعَكَ حَيْثُمَا كُنْتَ۔ ترجمہ: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کوسلام فرماتا ہے اور کہتا ہے: کہ کیا آپ اِس بات کو پسند کرتے ہیں کہ میں اِن پہاڑوں کوسونا بنادوں اور جدھر آپ تشریف لے جائیں وہ آپ کے ساتھ جائیں؟ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ دیر کے لیے سرِ مبارک جھکایا اور غور وفکر کرنے کے بعد سرِ اقدس اٹھا کر فرمایا:

❁ يَا جِبْرِيْلُ !اِنَّ الدُّنْيَا دَارُ مَنْ لَّا دَارَ لَهٗ وَ مَالُ مَنْ لَّا مَالَ لَهٗ ۔ قَدْ يَجْمَعُهَا مَنْ لَّا عَقْلَ لَهٗ ۔ترجمہ: اے جبریل! دنیا اُس شخص کا گھر ہے جس کا کوئی اور گھر نہ ہو اور یہ اُس کا مال ہے جس کے پاس کوئی مال نہ ہو۔ اِس دنیا کو وہ آدمی جمع کرتا ہے جو عقل ودانش سے محروم ہے ۔حضور سرورِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ شان دار جواب سن کر حضرت جبریلِ امین علیہ السلام نے عرض کیا:

❁ ثَبَّتَكَ اللّٰهُ يَا مُحَمَّدُ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ۔ترجمہ: اے اللہ کے محبوب! اللہ تعالیٰ نے آپ کوحق پر ثابت قدم رکھا۔[1]

❁ حضرت سیدنا امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ زہد کو بڑے دل کش انداز میں بیان فرمایا ہے، کہتے ہیں:

رَاوَدَتْهُ الْجِبَالُ الشُّمُّ مِنْ ذَهَبٍ مِنْ نَفْسِهٖ فَأَرَاهَا أَيَّمَا شَمَمِ
بڑے اونچے اونچے سونے کے پہاڑوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو للچانا چاہا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس شان دار بے نیازی کا مظاہرہ فرمایا

وَ كَيْفَ تَدْعُوْ اِلَى الدُّنْيَا ضَرُوْرَةُ مَنْ لَوْلَاهُ لَمْ تَخْرُجِ الدُّنْيَا مِنَ الْعَدَمِ
اُن کی حاجت اُنھیں دنیا کی طرف کیسے بلاسکتی ہے جن کی شان یہ ہے کہ اگر وہ نہ ہوتے تو یہ کائنات عدم سے وجود میں نہ آتی

---

[1] [ملخصاً از ضیاء النبی، ج:۵،ص:۳۷۵]

شانِ استغفار وتوبہ:

رسولِ پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ربُّ العالَمین کی بارگاہِ اقدس میں سب سے اُونچا مقام رکھنے کے باجود دن میں بار بار توبہ واستغفار کیا کرتے تھے۔امام بخاری کی روایت کے مطابق ایک دن میں ''ستر دفعہ'' اور امام طبرانی کی روایت کے مطابق ایک دن میں ''سَو مرتبہ'' استغفار کیا کرتے تھے۔سیدنا امام احمد بن حنبل سندِ صحیح کے ساتھ یہ روایت نقل کرتے ہیں:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْل:اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَغْفِرُكَ مَا قَدَّمْتُ وَمَآ اَخَّرْتُ وَمَآ اَسْرَرْتُ وَمَآ اَعْلَنْتُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ وَاَنْتَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ترجمہ: میں نے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: اے اللہ! میں تیری ذات سے مغفرت طلب کرتا ہوں ان باتوں سے، جو میں نے پہلے کیا اور جو بعد میں کیا، جو میں نے چھپ کر کیا اور جو اعلانیہ کیا۔تو ہی ہر چیز کو اپنے مقام پر رکھنے والا ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِس دعا میں اپنی امت کو استغفار کا طریقہ سمجھایا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، آپ نے فرمایا: میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اِس طرح استغفار کرتے ہوئے دیکھا:

اَسْتَغْفِرُ اللهَ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَ اَتُوْبُ اِلَيْهِ ۔قَبْلَ اَنْ يَّقُوْمَ مِنَ الْمَجْلِسِ مِأَةً۔ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں، کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو خود ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا اور کائنات کی ہر چیز کو زندہ رکھنے والا ہے، میں اُس کی جناب میں توبہ کرتا ہوں۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجلس برخواست ہونے سے پہلے سَو مرتبہ توبہ فرماتے۔[1]

رہ گیا یہ سوال کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم؛ بلکہ سید المعصومین ہیں، تو ''توبہ واستغفار'' کا کیا مطلب؟ تو اِس کے کئی جوابات دیے گئے ہیں، چند جوابات ملاحظہ فرمائیں:

---

[1] [ملخصاً از ضیاء النبی، ج:۵،ص:۴۰۰-۴۰۱]

- حضور رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کثرت کے ساتھ اس لیے استغفار فرمایا کرتے تھے؛ تا کہ آپ کی امت کو توبہ کا سلیقہ آ جائے اور وہ اِس مبارک سنت کو اختیار کرے۔
- آپ اپنی امت کے گناہوں کے لیے استغفار فرمایا کرتے تھے۔
- جو بندہ رب تعالیٰ سے جتنی محبت کرتا ہے، اُتنی ہی کثرت کے ساتھ استغفار کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر لمحہ توبہ و استغفار میں مصروف رہنا درحقیقت ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں اضافے کی اِلتجا ہے۔
- اللہ ربُّ العزت اپنے محبوب حضور شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ہم گنہ گار امتیوں کو "سچی توبہ" کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى سَيِّدِنَا وَ مَوْلٰينَا مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفٰى الْاَمِيْنِ
الصَّادِقِ الرَّؤُوْفِ الرَّحِيْمِ

پانچواں باب

شہنشاہِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اہلِ بیتِ اطہار

اہلِ بیت کون؟

اہلِ بیتِ اطہار سے مراد کون لوگ ہیں اِس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔امام بَغَوی، امامِ خازِن اور بہت سے دوسرے مفسرین کے مطابق اہلِ بیت سے مراد ''اَہْلِ عَبَا'' یعنی حضرتِ علی، حضرتِ فاطمہ، حضرتِ امامِ حسن اور حضرتِ امامِ حسین علیٰ نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام ہیں۔

❁ مفسرین کی دوسری جماعت کا موقِف یہ ہے کہ اہلِ بیت سے مراد ''**امہات المومنین**'' ہیں۔مفسرینِ کرام کے اِن دونوں گروہوں کے پاس اپنے اپنے موقِف پر دلائل ہیں؛ لیکن جمہور علماے امت نے فرمایا کہ ''**اہلِ بیتِ کرام**'' میں ''**پنج تنِ پاک، امہات المومنین اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دیگر آل واولاد**'' سبھی داخل ہیں۔

❁ مگر تفسیرِ خازِن میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا یہ قول مذکور ہے کہ اہلِ بیت سے مراد ''**بنو ہاشم**'' ہیں۔

اِس قَول کے مطابق حضرتِ عباس، حضرت حمزہ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دوسرے مسلمان چچا زاد بھائی سبھی اہلِ بیت میں داخل ہوں گے۔

❁ البتہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جن کو ہر خاص موقع پر علاحدہ کر کے ذکر کرتے تھے وہ یہی چار نفوسِ قدسیہ ''**حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت امام حسن، حضرتِ امام حسین**'' علی نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام ہیں۔بہر حال تمام اہلِ بیتِ کرام انتہائی عزت وبزرگی اور نہایت عظمت وشان والے ہیں۔

قرآن واحادیث اِن کے فضائل کے بیان سے مالا مال ہیں۔[۱]

اہلِ بیت کے فضائل:

اللہ ربُّ العزت نے ارشاد فرمایا:

❁ اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا ۚ

ترجمہ:اے نبی کے گھر والو! اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی گندگی دور کردے۔[۲]

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

❁ یَاۤاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیۡ تَرَکۡتُ فِیۡکُمۡ مَا اِنۡ أَخَذۡتُمۡ بِہٖ لَنۡ تَضِلُّوۡا کِتَابَ اللہِ وَ عِتۡرَتِیۡ اَھۡلَ بَیۡتِیۡ ۔ ترجمہ:اے لوگو! میں نے تمھارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں کہ اگر تم اُنھیں پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ ایک اللہ عز وجل کی کتاب اور دوسری میری اولاد و ذریت یعنی میرے اہلِ بیت پاک۔[۳]

اِسی لیے بزرگانِ دین کی زبانیں، اہلِ بیتِ کرام کی تعریف وتوصیف سے ہمیشہ تَر رہی ہیں، اُنھوں نے خود بھی اُن سے بے انتہا محبت کی ہے اور لوگوں کو بھی اُن سے سچی الفت کرنے اور اُن پر جان و مال نچھاور کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ چند اقوالِ زَرِیں ملاحظہ فرمائیں!

سید الاکابر سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

❁ رسول اللہ ﷺ کے رشتے داروں کی خدمت کرنا مجھے اپنے رشتے داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔

جلیل القدر صحابی حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

---

۱ [ملخصاً از خطباتِ محرم، ص: ۲۰۵ تا ۲۰۹۔ از حضرت مفتی جلال الدین صاحب علیہ الرحمہ]

۲ [سورۂ احزاب، آیت نمبر: ۳۳]

۳ [الجامع للامام الترمذی، باب مناقب أہل بیت النبی ﷺ رقم الحدیث: ۴۱۵۵]

❁ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک دن کی محبت ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

حضرت سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتویٰ دیا کہ

❁ اے لوگو! [خلیفہ منصور کے مقابلے میں] حضرت ابراہیم بن عبداللہ محض بن حسن مثنی بن حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور اُن کے بھائی حضرت محمد کا ساتھ دو!۔ اِسی فتوے کی وجہ سے حضرت امامِ اعظم رضی اللہ عنہ خلیفہ منصور کے عِتاب کا شکار ہوئے۔

حضرت سیدنا امامِ شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرات اہلِ بیتِ اطہار سے اِس قدر والہانہ عشق تھا کہ جاہل قسم کے لوگوں نے اُنھیں رافضی تک کہہ دیا تھا۔

❁ اُنھوں نے اُن نادانوں کو جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا:

لَوْ كَانَ رِفْضًا حُبُّ آلِ مُحَمَّدٍ ... فَلْيَشْهَدِ الثَّقَلَانِ أَنِّيْ رَافِضِيْ

اگر اہلِ بیت سے محبت ہی کا نام رِفض ہے ... تو جن وانس گواہ ہو جائیں کہ اِس معنیٰ میں میں رافضی ہوں

يَا أَهْلَ بَيْتِ رَسُوْلِ اللهِ حُبُّكُمُ ... فَرْضٌ مِّنَ اللهِ فِي الْقُرْآنِ أَنْزَلَهٗ

رسول اللہ کے گھر والو! آپ لوگوں کی محبت فرض ہے ... یہ حکم اللہ رب العزت نے قرآن میں نازل فرمایا ہے

اہلِ بیتِ کرام کی کچھ خصوصیات:

اہلِ بیتِ اطہار کی وہ خصوصیات جو کسی اور میں نہیں پائی جاتیں، یہ ہیں:

❁ اُن کے لیے زکاۃ اور دیگر صدقاتِ واجبہ حرام ہیں؛ کیوں کہ یہ لوگوں کے مَیل ہیں، اِس لیے اللہ تعالیٰ نے اُنھیں اِن سے محفوظ رکھا ہے۔

❁ یہ حضرات حسب ونسب میں سارے انسانوں سے افضل واعلیٰ ہیں۔

❁ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کے نسب کے علاوہ قیامت کے دن سارے نسب بے فائدہ ثابت ہوں گے۔[1]

---

[1] [ملخصاً از خطباتِ محرم، ص: ۲۱۷-۲۱۸۔ از حضرت مفتی جلال الدین صاحب امجدی علیہ الرحمہ]

اہلِ بیت میں سے جو بے عمل ہوں اُن کی بھی تعظیم واجب ہے، یعنی سید سے جب تک کفر سرزد نہ ہو اُس کی تعظیم واجب ہے۔ وغیرہ۔[1]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس اولاد کی تعداد:

راجح قول کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی **مقدس اولاد کی تعداد سات** ہے۔ تین صاحب زادگان اور چار صاحب زادیاں۔

صاحب زادگان کے اسمائے گرامی: [۱] حضرتِ قاسم [۲] حضرتِ عبد اللہ [۳] حضرتِ ابراہیم۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

صاحب زادیوں کے اسمائے گرامی: [۱] حضرتِ زینب [۲] حضرتِ رقیہ [۳] حضرتِ ام کلثوم [۴] حضرتِ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن اجمعین۔

اِن ساتوں مقدس اولاد میں سے حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ، حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے شکم سے تَوَلُّد ہوئے تھے اور باقی تمام اولادِ اَمجاد حضرت سیدتنا خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطنِ پاک سے پیدا ہوئیں۔[2]

مقدس شہزادوں کا مختصر تعارُف:

[۱] **حضرت سیدنا قاسم** رضی اللہ عنہ: یہ سب سے پہلے فرزند ہیں جو حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آغوشِ مبارَک میں اِعلانِ نبوت سے قبل پیدا ہوئے۔ امام ابن سعد نے کہا کہ دو برس کی عمر میں آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔[3]

[۲] **حضرت سیدنا عبداللہ** رضی اللہ عنہ: اِنھی کا لقب **"طیّب وطاہر"** ہے، یہ اعلانِ نبوت سے قبل

---

[1] [ملخصاً از مصدرِ سابق، ص:۲۲۱]

[2] [المواھب اللدنیۃ، ج:۴، ص:۳۱۶، دار الکتب العلمیۃ، بیروت]

[3] [شرح الامام الزرقانی علی المواہب، ج:۴، ص:۳۱۶]

مکۂ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور وہیں بچپن میں وفات پاگئے۔[1]

[۳] **حضرت سیدنا ابراہیم** رضی اللہ عنہ: یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے آخری فرزند ہیں۔ یہ ذوالحجہ آٹھ ہجری میں مدینۂ منورہ کے قریب مقامِ ''عَالِیَہ'' کے اندر، حضرت ماریہ قبطیہ کے شکمِ مبارَک سے پیدا ہوئے۔ اِن کی ولادت کے بعد حضرت جبریلِ اَمین نے نازل ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشارت سنائی اور آپ کو ''یَا اَبَا اِبْرَاهِیمَ'' کہہ کر پکارا جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے حد خوش ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اِن سے بے پناہ محبت تھی، اِن کے وصال کے وقت آپ کی زبانِ اقدس پر یہ کلمات جاری تھے:

❁ آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل غم زدہ ہے؛ مگر ہم زبان سے وہی بات نکالتے ہیں جس سے ہمارا رب خوش ہو۔ اور اے ابراہیم! بلاشبہ ہم تمھاری جدائی سے بہت زیادہ غمگین ہیں۔ سترہ یا اَٹھارہ ماہ میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو اپنے مقدس ہاتھوں سے جنت البقیع میں دفن کیا۔[2]

مقدس شہزادیوں کا مختصر تعارف:

[۱] حضرت سیدتنا زینب رضی اللہ عنہا کا مختصر تعارُف:

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت اِعلانِ نبوت سے دس سال پہلے ہوئی، اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمرِ پاک تیس سال کی تھی۔ اعلانِ نبوت سے قبل اِن کی شادی، خالہ زاد بھائی ابو العاص بن ربیع سے ہوئی تھی۔ حضرتِ زینب تو شروع ہی میں مسلمان ہوگئی تھیں؛ مگر ابو العاص شرک پر اَڑے رہے۔ رمضان دو ہجری میں جب ابو العاص جنگِ بدر میں گرفتار ہو کر مدینہ آئے، تو حضرت زینب نے اُنھیں قید سے چھڑانے کے لیے مکۂ مکرمہ سے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں وہ

---

۱ [المصدر السابق، ص: ۳۴۴]

۲ [ملخصاً من المصدر السابق، ص: ۳۴۹]

ہار بھیجا جو اُن کی ماں سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے اُنھیں دیا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ ہار اپنی بیٹی حضرتِ زینب کے پاس بھجوا دیا اور یہ وعدہ لے کر ابوالعاص کو رہا کر دیا کہ وہ مکہ جا کر زینب کو مدینہ روانہ کر دیں گے، چناں چہ انھوں نے وعدہ نبھایا اور مکہ جا کر حضرت زینب کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مدینۂ منورہ بھیج دیا۔

حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے راہِ حق میں بڑی مصیبتیں برداشت کیں، اِسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کی شان بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

هِيَ أَفْضَلُ بَنَاتِيْ أُصِيْبَتْ فِيَّ۔ یعنی زینب میری بیٹیوں میں اِس اعتبار سے بہت ہی زیادہ فضیلت والی ہے کہ اِس نے میری وجہ سے بہت بڑی مصیبت برداشت کی۔ ابو العاص سات ہجری میں مسلمان ہو کر مدینۂ منورہ آ گئے اور حضرت زینب کے ساتھ رہنے لگے۔

حضرت زینب کے ''علی'' نامی ایک فرزند اور ''اُمامہ'' نامی ایک صاحب زادی تھیں؛ لیکن دونوں بچپن ہی میں انتقال کر گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں سے بڑی محبت فرمایا کرتے تھے، حضرت سیدتنا امامہ سے محبت کا عالم یہ تھا کہ اُنھیں اپنے دُوشِ مبارَک پر اُٹھا کر مسجدِ نبوی تشریف لایا کرتے تھے۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال آٹھ ہجری میں ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفن کے لیے اپنا مبارک تہہ بند عطا فرمایا اور اپنے دستِ مبارک سے اُنھیں قبر میں اتارا۔[1]

[۲] حضرت سیدتنا رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حالاتِ زندگی:

آپ رضی اللہ عنہا اِعلانِ نبوت سے سات برس پہلے پیدا ہوئیں، اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمرِ پاک کا تینتیسواں سال تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا اِبتدائے اسلام ہی میں مشرَّف بہ اسلام ہو گئی تھیں۔ پہلے اِن کا نکاح ابولہب کے بیٹے ''عُتبہ'' سے ہوا تھا؛ مگر رخصتی سے پہلے ''سُوْرَۃُ تَبَّتْ يَدَا'' نازل ہو گئی جس نے ابولہب کی سخت مذمت کرتے ہوئے اُس کی دائمی رسوائی کو بیان کیا۔ ابولہب نے آگ بگولا

---

[1] [ملخصاً من المواہب اللدنیۃ، ج: ۴، ص: ۳۱۸ تا ۳۲۱]

ہوکر اپنے بیٹے کو طلاق دینے پر مجبور کیا، چناں چہ اُس نے سیدہ رقیہ کو طلاق دے دی۔

اِس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت رقیہ کا نکاح حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ بدر کے دنوں میں حضرتِ رقیہ اِتنی سخت بیمار ہوئیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کے شوہر حضرتِ عثمان غنی کو جنگِ بدر میں شرکت سے روک کر اپنی بیٹی کی تیمارداری کرنے کا حکم دیا۔ جس دن حضرت زید بن حارثہ جنگِ بدر میں مسلمانوں کی فتحِ مبین کی خوش خبری لے کر مدینۂ پاک پہنچے، اُسی دن حضرت رقیہ کا بیس سال کی عمرِ مبارَک میں انتقال ہوگیا۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے شکمِ ناز سے حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہا کے **''عبد اللہ''** نامی ایک فرزند بھی پیدا ہوئے تھے؛ لیکن وہ اپنی ماں کے بعد سن ۴ رہجری میں چھ سال کی عمر میں انتقال کر گئے تھے۔ [1]

[۳] حضرتِ سیدتنا اُمِّ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مختصر سیرتِ پاک:

آپ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تیسری بیٹی ہیں، یہ حضرت سیدتنا رقیہ رضی اللہ عنہا سے چھوٹی ہیں، اِن کی ولادت بھی اُمُّ المومنین حضرت سیدتنا خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ہوئی۔ یہ، ابولہب کے دوسرے بیٹے ''عُتَیْبَہ'' کے نکاح میں تھیں؛ لیکن باپ کے کہنے پر اُس بدبخت نے رخصتی سے پہلے اِنھیں طلاق بھی دی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی بھی کی۔ اُس کی بدتمیزی سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قلبِ نازک پر انتہائی رنج وصدمہ گزرا اور آپ کی زبانِ اَطہر سے یہ الفاظ نکل پڑے:

''اے اللہ! اپنے کتوں [درندوں] میں سے کسی کتے [درندے] کو اِس پر مسلط فرما دے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ مقامِ ''زَرْقا'' میں ایک خوں خوار شیر نے ''عُتَیْبَہ'' کو چیر پھاڑ کر واصلِ جہنم کر دیا۔ خدا کی شان دیکھیے! طلاق ''عُتْبَہ'' نے بھی دی تھی؛ مگر چوں کہ اُس نے گستاخی

[1] [ملخصاً من شرح الامام الزرقانی علی المواہب، ج: ۴، ص: ۳۲۲-۳۲۳]

نہیں کی تھی ، اِس لیے وہ خدائی قہر سے بھی محفوظ رہا اور بعد میں مسلمان ہو کر شرفِ صحابیت سے بھی سرفراز ہوئے۔لیکن ''عُتَیْبَہ'' نے طلاق دینے کے ساتھ ساتھ گستاخی بھی کی تھی ؛لہٰذا شیر کا لقمۂ تر بھی بنا اور ایمان سے محروم بھی رہا۔

❁ حضرت سیدتنا رقیہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد ماہِ ربیع الاول سن ۳ رہجری میں حضور ﷺ نے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ سے کر دیا ، اِس نکاح کے ساتھ ہی حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کو وہ شرف مل گیا جو نہ کبھی کسی کے حصے میں آیا نہ آئے گا۔ اب صبحِ قیامت تک اُنھیں ''ذُوالنُّوْرَیْن'' جیسے باوقار لقب سے یاد کیا جائے گا۔

❁ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے شکمِ مبارَک سے کوئی اولاد نہیں ہوئی ، ماہِ شعبان المعظم سن ۹ ہجری میں آپ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا ، حضور ﷺ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ [1]

[۴] خاتونِ جنت حضرت سیدتنا فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سیرتِ طیبہ:

سیدۃُ نساءِ العالمین ، حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کی سب سے چھوٹی اور لاڈلی شہزادی ہیں۔آپ رضی اللہ عنہا کا نام ''فاطمہ'' اور لقب ''زہرا'' اور ''بتول'' ہے۔ آپ سلام اللہ علیہا کی پیدائش کے سال میں علماے مؤرِّخین کا اختلاف ہے۔علامہ ابن جوزی رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق ، اعلانِ نبوت سے پانچ سال قبل آپ رضی اللہ عنہا کی پیدائش ہوئی۔ [2]

❁ سن ۲ رہجری میں حضرت علی شیرِ خدا کَرَّم اللہ وجہہ الکریم سے آپ کا نکاح ہوا اور آپ کے شکمِ مبارک سے تین صاحب زادگان ''حضرت سیدنا امام حسن ، حضرت سیدنا امام حسین ، حضرت

---

۱ [ملخصا من المواھب اللدنیۃ ، ج: ۴ ، ص: ۳۲۵ تا ۳۲۷]

۲ [المواہب اللدنیۃ ، ج: ۴ ، ص: ۳۳۱]

سیدنا امام محسن'' رضی اللہ عنہم اجمعین اور تین شہزادیاں ''حضرتِ زینب، حضرت ام کلثوم، حضرت رقیہ'' رضی اللہ عنہن اجمعین پیدا ہوئیں۔ حضرت محسن اور حضرت رقیہ بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ حضرتِ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح امیر المومنین حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ اِن کے شکمِ مبارک سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک فرزند ''حضرتِ زید'' اور ایک صاحب زادی ''حضرتِ رقیہ'' کی پیدائش ہوئی اور حضرتِ زینب، حضرت عبد اللہ بن جعفر کے نکاح میں آئیں۔

❁ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال شریف کا حضرتِ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے قلبِ مبارک پر بہت ہی جاں کاہ صدمہ گزرا، چناں چہ وصالِ اقدس کے بعد حضرتِ فاطمہ کبھی بھی ہنستی ہوئی نہیں دیکھی گئیں، یہاں تک کہ وصالِ نبوی کے چھ ماہ بعد ۳/رمضان ۱۱/ہجری منگل کی رات میں آپ سلام اللہ علیہا نے داعیِ اَجل کو ''لَبَّیْكَ'' کہا۔ جنت البقیع آپ رضی اللہ عنہا کی آخری آرام گاہ ہے۔[1]

آپ کے فضائل ومناقب اور مراتب و درجات کے حالات سے کُتُبِ اَحادیث کے صفحات مالا مال ہیں، بعض روایتیں ملاحظہ فرمائیں:

امامِ بخاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

❁ فاطمہ میرے گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ تو جس شخص نے اسے غضب ناک کیا اُس نے مجھے غضب ناک کیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ناراض کرتی ہے مجھ کو وہ چیز جو فاطمہ کو ناراض کرتی ہے اور اَذِیَّت دیتی ہے مجھ کو وہ چیز جو فاطمہ کو اَذیت دیتی ہے۔[2]

امامِ بخاری رضی اللہ عنہ مزید روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

❁ فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَآءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ۔

---

۱ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص:۶۹۷ تا ۶۹۹]

۲ [الصحیح للامام البخاری، باب مناقب قرابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، رقم الحدیث: ۳۷۱۴]

ترجمہ: حضرتِ فاطمہ (عَلٰی اَبِیْھَا وَ عَلَیْھَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام) جنتی عورتوں کی سردار ہیں ۔[1]

حضرتِ علی شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

آپ کا نامِ اقدس **''علی بن ابو طالب''** اور کنیت **ابوالحسن وابوتراب** ہے ۔آپ، حضور ﷺ کے چچیرے بھائی اور آپ کی سب سے چہیتی بیٹی **''حضرتِ سیدہ فاطمہ''** رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہرِ نامدار ہیں ۔آپ کی والدۂ محترمہ **حضرتِ فاطمہ بنت اسد** رضی اللہ عنہا اسلام قبول کرنے اور ہجرت کرنے والی سب سے پہلی ہاشمی خاتون ہیں ۔[2]

آپ کے بے شمار القاب ہیں ؛مگر **شیرِ خدا، حیدرِ کرَّار اور مولائے کائنات** کو زیادہ شہرت حاصل ہے ۔آپ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد **''سب سے افضل''** ہیں ۔

حضرت شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں اِس قدر کثیر روایتیں مروی ہیں جنھیں شمار نہیں کیا جاسکتا ۔چند روایتیں ملاحظہ فرمائیں :

❁ ام المومنین حضرت سیدہ اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

جس نے علی سے محبت کی اُس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی اُس نے اللہ سے محبت کی ۔جس نے علی سے دشمنی کی اُس نے مجھ سے دشمنی کی اور جس نے مجھ سے دشمنی کی اُس نے اللہ سے دشمنی کی ۔[3]

ایک دن حضرتِ علی رضی اللہ عنہ نے ایک کھلے میدان میں بہت سے لوگوں کو جمع کر کے ارشاد فرمایا:

---

۱ [الصحیح للامام البخاری، باب مناقب فاطمۃ سلام اللہ علیھا، ج:۱،ص:۵۳۲]

۲ [تاریخ الخلفاء،ص: ۱۱۳]

۳ [المعجم الکبیر، جز:۲۳،ص:۳۸۱]

- میں اللہ کی قسم دے کر تم لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ "غدیرِ خُم" کے دن اللہ کے رسول ﷺ نے میرے بارے میں کیا فرمایا تھا؟ یہ سن کر اُس مجمع سے تیس لوگوں نے کھڑے ہو کر کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اُس روز فرمایا تھا:

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ هٰذَا مَوْلَاهُ ۔ اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَّالَاهُ وَ عَادِ مَنْ عَادَاهُ ۔ ترجمہ: مَیں جس کا مَولا ہوں علی بھی اُس کے مَولا ہیں، اے اللہ! جو شخص علی سے محبت رکھے تُو بھی اُس سے محبت رکھ اور جو شخص علی سے عداوت رکھے تو بھی اُس سے عداوت رکھ۔[1]

- حضرت سیدتنا ام سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ تاجدارِ کائنات ﷺ نے فرمایا:

لَا يُحِبُّ عَلِيًّا مُنَافِقٌ وَ لَا يُبْغِضُهٗ مُؤْمِنٌ ۔ ترجمہ: کوئی منافق علی سے محبت نہیں کرے گا اور کوئی مومن علی سے بغض نہیں رکھے گا۔[2]

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت ایمان کا معیار ہے۔ سبحان اللہ۔

اللہ ربُّ العزت نے آپ کو جن متعدد خوبیوں سے سرفراز فرمایا ہے، اُن میں سے چند یہ ہیں:

- آپ نے حضور ﷺ کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی اور آقائے کریم ﷺ ہی کی گود میں ہوش سنبھالا۔
- آنکھ کھلتے ہی سب سے پہلے حضور سید المرسلین ﷺ کے جمالِ جہاں آرا کے دیدار سے شادکام ہوئے۔
- نَوعمر بچوں میں سب سے پہلے دامنِ اسلام سے وابستہ ہوئے، اِس لیے آپ کا دامن کبھی بھی بت پرستی سے داغ دار نہ ہوا۔

---

۱ [الجامع للامام الترمذی، کتاب المناقب، باب فی مناقب علی بن ابی طالب، رقم الحدیث:۴۰۷۸]

۲ [الجامع للامام الترمذی، کتاب المناقب، باب فی مناقب علی بن ابی طالب، رقم الحدیث:۴۰۸۳]

- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے چہیتی شہزادی حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں آئیں۔
- ہجرت کے انتہائی خطرناک موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سبز چادر اوڑھ کر حضور کے پاکیزہ بستر پر لیٹ کر میٹھی نیند کے مزے لینا آپ کا مقدّر رہنا۔
- حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ نے غزوۂ تبوک کے سوا تمام غزوات میں شجاعت و بہادری کے بے مثال جوہر دکھائے۔
- آپ قیامت تک پیدا ہونے والے تمام "سادات کرام" کے "**والد**" ہیں۔ وغیرہا۔

صاحبِ خلقِ عظیم، حضور مالکِ موجودات علیہ التحیۃ والتسلیمات کی زیرِ تربیت رہنے کے سبب، حضرتِ شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ **عبادت و ریاضت، توکل و قناعت، جود و سخاوت اور شجاعت و بہادری** جیسے اوصافِ حمیدہ میں بے نظیر و یکتائے زمانہ بنے۔ آپ قائم اللیل بھی تھے اور صائم النہار بھی۔ بنی ہاشم میں آپ سے زیادہ، عبادت گزار کوئی نہ تھا۔ آپ کی عبادت گزاری پر وقت کے صالحین و عابدین بھی رشک کیا کرتے تھے۔ نماز کے خشوع و خضوع میں آپ یگانۂ روزگار تھے؛ بلکہ آپ کی جانب منسوب واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ حالتِ نماز میں، آپ پر دنیا و مافیہا سے بے نیاز کر دینے والی کیفیت طاری ہو جایا کرتی تھیں۔ یہ مقام اللہ کے خاص بندوں کو ہی حاصل ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ آپ کی حیاۃِ مستعار کا کوئی لمحہ زہد و تقویٰ سے خالی نہ تھا۔

معلم کائنات فخرِ موجودات، عالمِ ما کان و ما یکون محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبتِ بافیض نے مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو کشورِ علم و فن کا تاج دار بنا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ **زبان و بیان، وعظ و ارشاد تفقہ فی الدین اور تفسیر و حدیث میں کوئی بھی صحابی آپ کا شریک و سہیم نہیں ہے**۔ اِسی لیے آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے بارے میں ارشاد فرمایا: **أَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَ عَلِيٌّ بَابُهَا** ۔[1]

[1] [الجامع للامام الترمذی، کتاب المناقب، رقم الحدیث: ۴۰۸۹]

ترجمہ: میں حکمت ودانائی کا شہر ہوں اور علی اُس کے دروازے ہیں۔

یہ حدیث اگر چہ سند کے لحاظ سے غریب ومنکر یعنی ضعیف ہے؛ لیکن فضائل میں اس قسم کی روایتیں بالاتفاق معتبر ہیں۔

آپ کی بہادری ''شہرۂ آفاق'' ہے، عرب وعجم میں آپ کی قوتِ بازو کا سِکّہ بیٹھا ہوا ہے اور آپ کے رُعب ودبدبے سے آج بھی بڑے بڑے سورماؤں کے دل کانپ جاتے ہیں؛ بلکہ صرف آپ کے نام کا وظیفہ پڑھ لینے سے مومن کے جسم وروح میں توانائی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔

❁ غزوۂ خیبر کے دن حضور ﷺ نے حضرتِ علی شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جھنڈا عطا فرمایا۔ مولا علی سے مقابلہ کرنے کے لیے خیبر کا مشہور بہادر ''مُرَحَّبْ'' آیا۔ شیرِ خدا نے اُسے اسلام اور صلح کی دعوت دی۔ اسلام قبول کرنے یا صلح کرنے کے بجائے مُرَحَّبْ یہ کہتا ہوا اپنے قلعہ سے باہر نکلا:

''خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، ہتھیاروں سے لیس بہادر اور تجربہ کار ہوں، کوئی میرا مقابلہ نہیں کرسکتا''۔

اُس کے جواب میں حضرت شیرِ خدا نے فرمایا:

''میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حَیْدَرْ رکھا ہے۔ جھاڑیوں میں رہنے والے خوں خوار شیر بھی مجھے دیکھ کر تھر تھر کانپتے ہیں''۔

مرحب اپنی طاقت کے نشے میں چور ہو کر بڑے تکبر وغرور کے ساتھ آیا تھا؛ مگر شیرِ خدا نے اپنی ذوالفقار کے ایک ہی وار سے اُس کے ناپاک سر کو **''دو حصوں میں تقسیم فرمادیا''** اور وہ مَر کر زمین پر ڈھیر ہوگیا۔ اُس کی ہلاکت کے بعد شیرِ خدا نے فتح کا اعلان فرمادیا۔

❁ حضرت شیرِ خدا کی اِس بہادری کو دیکھ کر خیبر کا ذرہ ذرہ اپنی زبانِ حال سے پکار اُٹھا:

شاہِ مَرداں، شیرِ یَزداں، قوتِ پروردگار	لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار
علی بہادروں کے شاہ، خدا کے شیر اور قوتِ پروردگار ہیں	اُن کے جیسا کوئی جوان نہیں اور ذوالفقار جیسی کوئی تلوار نہیں

سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے وصال کے بعد، حضرتِ شیرِ خدا رضی اللہ عنہ نے متعدد شادیاں کیں، جن سے درج ذیل اولاد عالَم وجود میں آئیں:

- ام بنین بنت خزامہ کلابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے، حضرتِ عباس، حضرتِ جعفر، حضرتِ عبد اللہ اور حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہم۔
- لیلیٰ بنت مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے، حضرتِ عبید اللہ اور حضرتِ ابوبکر رضی اللہ عنہما۔
- اسما بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے، حضرتِ یحییٰ اور حضرتِ محمد اصغر رضی اللہ عنہما۔
- امامہ بنت ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے، حضرتِ محمد اوسط رضی اللہ عنہ۔
- خولہ بنت حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے، حضرتِ محمد المعروف محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ۔
- صہبا بنت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے، حضرتِ عمر اور حضرتِ رقیہ رضی اللہ عنہما۔
- ام سعید بنت عروہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے، حضرتِ ام الحسن، حضرتِ رملہ اور حضرتِ ام کلثوم صغریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔
- محیاۃ بنت امرء القیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے، ایک بچی ہوئی جو بچپن ہی انتقال کر گئی۔

مندرجہ بالا اولادِ امجاد میں حضراتِ حسنین کریمین، حضرتِ محمد بن حنفیہ، حضرتِ عباس اور حضرتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے نسلیں جاری ہوئیں۔ حضراتِ حسنین کریمین کی نسلِ پاک کو عموماً ''سید'' اور باقی حضرات کی نسل پاک کو ''علوی'' کہا جاتا ہے۔[1]

۱۷ رمضان المبارک، ۴۰ھ کو نمازِ فجر پڑھانے کے لیے آپ گھر سے نکلے، راستے میں آواز لگا کر آپ لوگوں کو نماز کے لیے جگاتے جا رہے تھے کہ اچانک ''ابنِ مُلْجَم خَارِجی'' خبیث نے سامنے آکر، آپ پر تلوار کا اتنا سخت وار کیا کہ آپ کی پیشانی کنپٹی تک کٹ گئی اور تلوار دماغ پر جا ٹھہری۔ تلوار لگتے ہی آپ نے فرمایا: ربِّ کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا اور پھر ۲۱ رمضان ۴۰ھ

---

1 [تاریخ ابن خلدون، ج: ۴، ص: ۳۵۱۔ ۳۵۲]

بروز اتوار آپ کا وصال ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

حضرتِ سیدنا امام حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ عنہ:

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت سیدتنا فاطمہ زہرا اور حضرتِ علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہما کے بڑے صاحب زادے اور حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش رمضان المبارک ۳رہجری میں ہوئی۔ آپ کی پیدائش کے بعد حضرت سیدنا جبریلِ امین نے حضور ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا:

❁ یا رسول اللہ! اِس شہزادے کی پیدائش پر اللہ عزوجل نے آپ کو مبارک بادی بھیجی ہے اور وہ فرماتا ہے کہ اِس کا نام حضرت ہارون علیہ السلام کے بیٹے ''شبر'' کے نام پر رکھیے! چوں کہ شبر کا معنیٰ ''حسن'' ہے، اِس لیے حضور ﷺ نے اِن کا نام ''حسن'' رکھا، ساتویں دن عقیقہ کیا، بال منڈوائے اور بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کرنے کا حکم دیا۔

❁ آپ رضی اللہ عنہ اپنے نانا جان حضور رحمتِ عالَم ﷺ سے ''سر سے لے کر سینے تک'' مشابہت رکھتے تھے۔ آپ کے فضائل ومناقب سے حدیث کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔[1]

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے، خلیفۃ المسلمین حضرت سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

❁ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ منبر پر رونق افروز ہیں اور حضرتِ حسن رضی اللہ عنہ آپ کے پہلو میں ہیں۔ حضور ﷺ کبھی صحابہ کو دیکھتے کبھی حضرتِ حسن کو، پھر آپ نے فرمایا: میرا یہ بیٹا سردار ہے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اِس کے ذریعے مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان مصالحت کرا دے گا۔[2]

---

۱ [ملخصاً از خطباتِ محرم، ص: ۲۴۷، فقیہ ملت حضرت مفتی جلال الدین صاحب علیہ الرحمہ]

۲ [الصحیح للامام البخاری، باب قول النبی ﷺ للحسن بن علی ہذا اسید۔۔۔ رقم الحدیث: ۲۷۰۴]

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ربِّ ذوالجلال نے بے شمار اوصاف وکمالات سے نوازا تھا، چند اوصاف ملاحظہ فرمائیں!

- آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اعلیٰ قسم کے اونٹ ہونے کے باوجود بغیر سواری کے پا پیادہ ۲۵ رحج ادا فرمائے۔
- آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سخاوت میں بے مثال تھے، بسا اوقات ایک ایک شخص کو ایک ایک لاکھ درہم عطا فرما دیا کرتے تھے۔
- آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے بردبار اور حلیم الطبع تھے، اپنی برائی سن کر خاموش رہتے؛ لیکن غلط بات دیکھنے پر فوراً تنبیہ فرماتے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''پانچویں خلیفۂ راشد'' ہیں۔

آپ کی **''شہادت''** کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے کہ دشمنوں نے آپ کو پانچ بار زہرِ ہلاہل دیا؛ مگر ہر بار اُس کا اثر زائل ہو گیا۔ چھٹی بار ہیرے کی کنی پیسی ہوئی، آپ کی صُراحی میں ڈالی گئی، جس کا پانی پیتے ہی ایسا معلوم ہوا کہ حلق سے ناف تک پھٹ گیا ہے اور دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے۔ آپ مرغِ بسمل کی طرح تڑپنے لگے، دست و قَے کے ذریعے جگر اور انتڑیوں کے ٹکڑے کٹ کر گرنے لگے۔

- اِس حادثے کے بعد، ۴۵ رسال چھ ماہ چند روز کی عمر میں، مدینۂ منورہ میں، ۵ رربیع الاول ۴۹ رہجری میں آپ نے وفات پائی اور جنت البقیع میں اپنی والدۂ محترمہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پہلو میں دفن ہوئے۔[1] **انا للہ وانا الیہ راجعون۔**

حسنِ مجتبیٰ سید الاسخیاء راکبِ دوشِ عزت پہ لاکھوں سلام

[1] [ملخصاً از خطباتِ محرم، ص: ۲۵۲-۲۵۳]

سرکارِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

حضرتِ امامِ حسین رضی اللہ عنہ کی ولادتِ مبارکہ ۵ رشعبان المعظم، سن ۴ رہجری کو مدینۂ منورہ میں ہوئی۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے کان میں اذان دی، منہ میں لعابِ دہن ڈالا اور دعا فرمائی، پھر ساتویں دن آپ کا نام "حسین" رکھا اور عقیقہ کیا۔ آپ کی ولادتِ پاک کے حوالے سے حدیث کی کتابوں میں ایک بڑا ایمان افروز واقعہ مذکور ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چچی اور حضرتِ عباس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ "**ام الفضل بنت حارث**" رضی اللہ عنہا ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئیں:

❁ یا رسول اللہ! آج میں نے ایک ایسا خوف ناک خواب دیکھا ہے جس کو بیان کرنے کی مجھ میں جرأت نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنا خواب بیان کرو! انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے دیکھا کہ آپ کے جسمِ اقدس کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں رکھا گیا ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: تمھارا خواب بہت اچھا ہے، ان شاء اللہ میری بیٹی فاطمہ کے یہاں ایک بیٹا ہوگا اور وہ تمھاری گود میں دیا جائے گا۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا، حضرتِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے اور اُن کی گود میں دیے گیے۔[1]

آپ کے فضائل و مناقب بہت سی حدیثوں میں بیان کیے گیے ہیں، دو روایتیں ملاحظہ فرمائیں! حضرتِ یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

❁ **حُسَيْنٌ مِّنِّيْ وَاَنَا مِنَ الْحُسَيْنِ ۔ اَحَبَّ اللّٰهُ مَنْ اَحَبَّ حُسَيْنًا ۔ حُسَيْنٌ سِبْطٌ مِّنَ الْاَسْبَاطِ** ۔ ترجمہ: حسین مجھ سے ہے اور مَیں حسین سے ہوں، اللہ عزوجل نے اُس سے محبت

---

[1] [مشکاۃ المصابیح، ص: ۵۷۲]

کی جس نے حسین سے محبت کی، حسین میرا عظیم نواسہ ہے۔[۱]

اِس حدیثِ پاک سے واضح ہوا کہ امامِ حسین رضی اللہ عنہ سے محبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہے، امامِ حسین رضی اللہ عنہ کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہے، امامِ حسین رضی اللہ عنہ سے دوستی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دوستی اور امامِ حسین رضی اللہ عنہ سے دشمنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دشمنی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

❁ اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ۔ ترجمہ: بے شک حسن اور حسین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔ سبحان اللہ۔[۲]

بچپن ہی میں آپ کی شہادت کی شہرت ہوگئی تھی۔ حضرتِ علی شیرِ خدا، حضرتِ سیدہ فاطمہ زہرا، صحابۂ کبار اور اہلِ بیتِ کرام سبھی حضرات آپ کے زمانۂ شیر خوارگی ہی میں جان گئے تھے کہ یہ شہزادہ ظلم وستم کے ہاتھوں شہید کیا جائے گا اور اِس کا خون میدانِ کربلا میں نہایت بے دردی کے ساتھ بہایا جائے گا۔

❁ چناں چہ امامِ عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، دس محرم الحرام ۶۱ رہجری کو، ۵۶ رسال، ۵ رماہ، ۵ ردن کی عمرِ مبارک میں، میدانِ کربلا میں، ناموسِ اسلام کے خاطر، یزیدی خبیثوں کے خلاف جہاد کرتے ہوئے، اپنے بھائیوں، بیٹوں، بھتیجوں، بھانجوں اور جاں نثاروں کے ساتھ، حالتِ سجدہ میں، جامِ شہادت نوش فرمایا۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون۔**

اُس شہیدِ بلا شاہِ گلگوں قبا بے کسِ دشتِ غربت پہ لاکھوں سلام

---

۱ [الجامع للامام الترمذی، باب مناقب الحسن والحسین، رقم الحدیث: ۴۱۴۴]

۲ [مشکاۃ المصابیح، ص: ۵۷۰]

اَزواجِ مطہّرات:

حضور رحمتِ عالَم ﷺ کی مبارک نسبت کی وجہ سے، اَزواجِ مطہرات کا بہت ہی بلند مقام و مرتبہ ہے۔ قرآنِ مقدس کی بہت سی آیتوں اور حضور ﷺ کی بے شمار حدیثوں میں اَزواجِ مطہرات کی عظمت وشان بیان کی گئی ہے۔

خداوندِ قدوس نے اِن کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا:

❁ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ ۚ [1]

ترجمہ: اے نبی کی بیویو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر اللہ عز وجل سے ڈرو!

اَزواجِ مطہرات بھی **"اہلِ بیتِ کرام میں داخل ہیں"** اور اہلِ بیت کی عظمت بیان کرتے ہوئے قرآنِ مجید نے اعلان کیا ہے:

❁ ترجمہ: اے نبی کے گھر والو! اللہ کا یہی ارداہ ہے کہ وہ تم سے ہر قسم کی گندگی دور فرمادے اور تمھیں مکمل طور پر پاک کردے۔ [2]

خیال رہے کہ ہمارے آقا ﷺ کی مقدس بیویاں ہمارے لیے حقیقی ماں کی طرح ہیں۔ اُن کی تعظیم وتکریم ہر امتی پر فرض ہے؛ بلکہ وہ مقدس بیویاں ہماری حقیقی ماؤں سے بڑھ کر لائقِ تعظیم اور واجب الاحترام ہیں۔ ہمارے رب نے ارشاد فرمایا:

❁ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ۚ ترجمہ: نبی، ایمان والوں کی جانوں کے، اُن سے زیادہ مالک ہیں اور نبی کی بیویاں مومنوں کی مقدس مائیں ہیں۔ [3]

---

۱ [سورۂ احزاب، آیت نمبر: ۳۲]

۲ [سورۂ احزاب، آیت نمبر: ۳۳]

۳ [سورۂ احزاب، آیت نمبر: ٦]

ازواجِ مطہرات کی تعداد ''گیارہ'' ہے۔حضرت سیدتنا خدیجہ اور حضرت سیدتنا زینب بنت خُزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا وصال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ ظاہری میں ہوگیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفاتِ اقدس کے وقت نَو ازواجِ مطہرات موجود تھیں۔اُن مقدس ماؤں میں سے **''چھ کا تعلق''** خاندانِ قریش سے تھا،اُن چھ کے مقدس نام یہ ہیں:

- حضرت خُدَیجہ بنت خُوَیلِد
- حضرت عائشہ بنتِ صدیقِ اکبر
- حضرت حفصہ بنتِ فاروقِ اعظم
- حضرت اُمِّ حبیبہ بنتِ ابوسفیان
- حضرت اُمِّ سلمہ بنت ابوامیہ
- حضرت سَودہ بنت زُمعہ۔رضی اللہ عنہن اجمعین۔

باقی ازواجِ مطہرات میں سے چار کا تعلق **''عرب کے دوسرے قبیلوں''** سے تھا، وہ چار یہ ہیں:

- حضرت زینب بنت جَحش۔
- حضرت میمونہ بنت حارث۔
- حضرتِ زینب بنت خزیمہ۔
- اُمُّ المساکین حضرتِ جُوَیرِیہ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہن اجمعین۔

اور ایک بیوی یعنی حضرت صفیہ بنت حیی، **''عربی النسل نہیں تھیں''**؛ بلکہ خاندانِ بنی اسرائیل کی ایک شریف النسل رئیس زادی تھیں۔[1]

حضرتِ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا:

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا اور جب تک وہ زندہ رہیں آپ نے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں فرمایا۔یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے پہلی رفیقِ حیات ہیں۔اِن کے والد کا نام **''خُوَیلِد''** اور والدہ کا نام **''فاطمہ''** ہے۔یہ خاندانِ قریش کی بہت ہی معزَّز خاتون تھیں، اِن کی پاک دامنی کی وجہ سے اہلِ مکہ اِنھیں **''طاہرہ''** کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

---

[1] [المواہب اللدنیۃ، باب فی ذکر ازواجہ الطاہرات، ج:۴،ص:۳۵۹تا۳۶۱]

❁ امام ذہبی کا بیان ہے کہ امت کا اِس بات پر اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر سب سے پہلے یہی ایمان لائیں اور انتہائی خوف ناک اور نہایت خطرناک حالات میں جس تن مَن دَھن کے ساتھ اِنھوں نے بارگاہِ رسالت میں قربانیوں کا نذرانہ پیش کیا، امہات المومنین میں اُس کی کوئی نظیر نظر نہیں آتی۔

❁ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پچیس سالوں تک حضور ﷺ کی خدمت گزاری سے سرفراز رہیں۔ ہجرت سے تین سال قبل، ۶۵/ برس کی عمر پاکر، ماہِ رمضان میں، مکۂ مکرمہ میں آپ نے وفات پائی اور حضور ﷺ نے وہاں کے مشہور قبرستان ''جنت المعلی'' میں بہ نفسِ نفیس اُن کی قبر میں اتر کر اپنے مقدس ہاتھوں سے اُنھیں سپردِ خاک فرمایا۔ [1]

اِن کے فضائل و مناقب متعدد اَحادیثِ کریمہ سے ثابت ہیں، صرف ایک روایت ملاحظہ فرمائیں: حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

❁ حضرت سیدنا جبریل علیہ السلام حضور ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں تشریف لائے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ خدیجہ ہیں جو آپ کے پاس ایک برتن میں کھانا لا رہی ہیں، جب یہ آ جائیں تو آپ اِن سے اِن کے رب کا اور میرا سلام کہہ دیں اور یہ خوش خبری سنا دیں کہ جنت میں اِن کے لیے موتی کا ایسا گھر ہے جس میں نہ کوئی شور ہوگا، نہ کوئی تکلیف۔ سبحان اللہ! [2]

مَنْزِلٌ مِّنْ قَصَبٌ لَا نَصَبُ لَا صَخَبُ   ایسے کوشک کی زینت پہ لاکھوں سلام

حضرتِ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد، حضور ﷺ نے حضرت ''سَودہ بنت زُمعہ'' رضی اللہ عنہا کو شرفِ زوجیت بخشا۔ یہ، اپنے شوہرِ اَوّل حضرت ''سکران بن عمرو'' کے ساتھ

---

1 [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص: ۵۱۰ تا ۵۱۲]

2 [الصحیح للامام البخاری، باب تزویج النبی ﷺ ج:۱، ص: ۵۳۹]

ابتدائے اسلام ہی میں مسلمان ہوگئی تھیں اور اِن دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا شرف بھی حاصل کیا تھا۔ ایک رات حضرت سودہ نے خواب دیکھا کہ ایک چاند ٹوٹ کر اُن کے سینے پر گرا ہے۔ اُنھوں نے اِس خواب کا ذکر اپنے شوہر سے کیا۔ شوہر نے کہا: اگر یہ خواب سچا ہے تو عن قریب میرا انتقال ہو جائے گا اور پیغمبرِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم سے نکاح فرمائیں گے۔

اُسی دن حضرت سکران بن عمرو بیمار ہوئے اور چند دنوں کے بعد وفات پا گئے۔ شوہر کی وفات کے بعد حضرت سَودَہ رضی اللہ عنہا کو ازواجِ مطہرات کے مقدس زُمرے میں داخل ہونے کا شرف مِلا۔ یہ مقدس خاتون زندگی بھر، انتہائی والہانہ عقیدت و احترام کے ساتھ آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کرتی رہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کا وصال ۲۳ رہجری میں مدینۂ منورہ میں ہوا۔[1]

حضرتِ سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

حضرتِ سیدتنا عائشہ صدیقہ، حضرت سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہما کی نورِ نظر ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِعلانِ نبوت کے دسویں سال، ماہِ شوّال المکرم میں، ہجرت سے تین سال قبل، اِن سے نکاح فرمایا۔ اَزواجِ مطہرات میں تنہا یہی کنواری تھیں اور بارگاہِ نبوت میں سب سے زیادہ محبوب بھی۔[2]

تمام اَزواجِ مطہرات میں فقہ وحدیث کے علوم میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا درجہ سب سے بلند ہے۔ آپ سے دو ہزار دو سو دس حدیثیں مروی ہیں، جن میں ایک سَو چوہتر حدیثیں بخاری و مسلم میں ہیں، چوّن حدیثیں صرف بخاری میں ہیں اور اَڑسٹھ حدیثیں تنہا امام مسلم نے روایت کی ہیں۔ باقی حدیثیں حدیث کی دوسری کتابوں میں مذکور ہیں۔[3]

---

۱ [ملخصاً من شرح الامام الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ، ج:۴،ص:۳۷۷تا۳۸۰]

۲ [المواہب اللدینۃ، ج:۴،ص:۳۸۲]

۳ [ملخصاً من شرح الامام الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ، ج:۴،ص:۳۸۹]

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی متعدِّد خصوصیات میں سے چند یہ ہیں:

- آپ رضی اللہ عنہا کے علاوہ ازواجِ مطہرات میں سے کسی کے ماں باپ دونوں کو ہجرت کا شرف نہیں مِلا۔
- اللہ ربّ العزت نے آپ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی پر قرآنِ مقدس کی آیتیں نازل فرمائیں۔
- آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گود میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وصال فرمایا اور آپ ہی کا حجرۂ مقدسہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مدفَن بنا۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصال ۱۷/رمضان المبارک سن ۵۷/ہجری منگل کے دن، مدینۂ منورہ میں ہوا، حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازَہ پڑھائی اور جنۃ البقیع میں، دیگر ازواجِ مطہرات کے پہلو میں دفن کیا گیا۔[1]

سیدتنا حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

آپ رضی اللہ عنہا، خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروقِ اَعظم اور حضرت زینب بنت مظعون رضی اللہ عنہا کی دخترِ نیک اختر ہیں۔ اِن کے شوہر "حضرت خنیس بن حذاقہ" جنگِ بدر یا جنگِ احد میں زخمی ہوکر وفات پا گئے تھے۔ اِن کی قسمت کا ستارا چمکا اور تین ہجری میں سیدِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اِن سے نکاح فرما کر اِنھیں "امہات المومنین" کے مبارک زمرے میں شامل فرمایا۔

آپ رضی اللہ عنہا انتہائی بلند ہمت اور سخاوت شعار خاتون تھیں۔ صوم وصلاۃ، تلاوتِ قرآن مجید اور قسم قسم کی عبادتوں میں مصروف رہا کرتی تھیں، بہت بڑی عبادت گزار ہونے کے ساتھ ساتھ "فقہ وحدیث" میں بھی ایک ممتاز درجہ رکھتی تھیں۔ اِن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ساٹھ حدیثیں مروی ہیں جو مختلف کتبِ احادیث میں مذکور ہیں۔ ترسٹھ برس کی عمر میں، ماہِ شعبان المعظم

---

1 [المواهب اللدنية، ج:۴، ص:۳۹۲]

۵۴ھ میں، مدینۂ منورہ میں وفات پاکر جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔[1]

حضرت سیدتنا ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام ''ہِنْدْ'' ہے؛ مگر آپ اپنی کنیت **''اُمِّ سلمہ''** سے زیادہ مشہور ہیں۔ آپ کے والد کا نام **''حُذَیفہ''** اور بعض کے نزدیک **''سُہَیل''** ہے، جب کہ والدہ کا نام **''عاتکہ بنت عامر''** ہے۔ اِن کے پہلے شوہر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی بھائی **''حضرت ابوسلمہ عبد اللہ بن اسد''** تھے۔ یہ دونوں میاں بیوی اعلانِ نبوت کے بعد بہت جلد دامنِ اسلام سے وابستہ ہو گئے، اسلام لانے کے بعد اِنھوں نے حبشہ اور اُس کے بعد مدینۂ منورہ کی جانب ہجرت کرنے کا شرف بھی حاصل کیا۔

❖ جب ۴ رہجری میں اِن کے شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی خاطر، اِن کی قربانیوں کی بنیاد پر، چند بچوں کی ماں ہونے کے باوجود، اِن سے نکاح فرمایا اور اِس طرح سے یہ **''ام المومنین''** کے معزز لقب سے سرفراز ہوئیں۔[2]

حضرت سیدتنا ام سلمہ رضی اللہ عنہا حسن و جمال کے ساتھ فہم و فراست کا بھی ایک بے مثال نمونہ تھیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رائے ہمیشہ درست ثابت ہوتی تھی۔ فقہ و حدیث میں بھی آپ کو بڑا کمال حاصل تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تین سو اٹھتر حدیثیں روایت کی ہیں اور حدیث کے معاملے میں بہت سے صحابہ و تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آپ رضی اللہ عنہا کے شاگرد ہیں۔

❖ آپ رضی اللہ عنہا چوراسی برس کی عمر میں، مدینۂ منورہ میں فَوت ہوئیں اور جنت البقیع شریف میں ازواجِ مطہرات کے پہلو میں مدفون ہوئیں۔[3]

---

۱ [ملخصاً من شرح الامام الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ، ج:۴، ص:۳۹۳ تا ۳۹۶]

۲ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص:۵۱۹-۵۲۰]

۳ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص:۵۲۱]

سیدتنا ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

آپ رضی اللہ عنہا کا اصلی نام ''رملہ'' ہے، آپ کے والد حضرت ابوسفیان بن حرب اور والدہ صفیہ بنت عاص ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا پہلے **''عبید اللہ بن جحش''** کے نکاح میں تھیں، میاں بیوی دونوں نے اسلام قبول کیا اور دونوں ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے؛ مگر حبشہ میں عبید اللہ بن جحش پر نحوست طاری ہوئی اور وہ مرتد ہو کر شراب پینے کی حالت میں مَر گیا؛ لیکن حضرت سیدتنا ام حبیبہ اسلام پر استقامت کے ساتھ ثابت قدم رہیں۔

❁ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن کی حالت معلوم ہوئی تو آپ کے قلبِ نازک پر بے حد صدمہ گزرا اور اُن کی دل جوئی کے لیے آپ نے اُنھیں اپنی زوجیت کا شرف بخشا۔

حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا **''کس طرح آقاے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں''** اِس کی تفصیل یوں بیان کی جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرتِ عمرو بن امیہ کے ذریعے حبشہ کے بادشاہ ''نجَاشی'' کو اپنے نکاح کا وکیل بنا دیا۔ نجاشی نے حضرت ام حبیبہ تک پیغام پہنچایا، پیغام سن کر اُن کی خوشی کا ٹھکانا نہ رہا، فوراً اپنے ماموں زاد بھائی خالد بن سعید کو اپنے نکاح کا وکیل بنا کر نجاشی کے پاس بھیج دیا۔

❁ نجاشی نے حبشہ میں موجود صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اپنی مجلس میں بلوا کر، اُن کے سامنے خطبۂ نکاح پڑھا اور چار سَو دینار مہر مقرر کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کر دیا۔ نکاح کے بعد اُس نے اپنے پاس سے مہر کی رقم بھی ادا کی اور صحابۂ کرام کی پُرتکلُّف دعوت بھی کی۔ اِس طرح سے حضرت ام حبیبہ کو **''ام المومنین''** کا معزز لقب مِلا۔

❁ ۴۴ھ ہجری میں مدینۂ پاک کے اندر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہوئی اور جنت البقیع شریف میں ازواجِ مطہرات کے ساتھ مدفون ہوئیں۔[1]

---

[1] [ملخصاً من المواہب اللدنیۃ، ج:۴، ص:۴۰۳ تا ۴۰۹]

حضرت زینب بن جحش رضی اللہ عنہا:

حضرتِ زینب بنتِ جحش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پھوپھی **''حضرتِ اُمیمہ بنتِ عبدالمطلب''** کی صاحب زادی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اِن کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام **''حضرت زید بن حارثہ''** رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا تھا؛ مگر چوں کہ یہ قریش کی ایک حسین وجمیل اور معزز خاتون تھیں اور زید بن حارثہ ایک آزادکردہ غلام تھے، اِس لیے بتقاضاے بشری میاں بیوی میں اکثر اَن بَن رہا کرتی تھی، یہاں تک کہ حضرت زید نے اُنھیں طلاق دے دی۔

❁ عِدَّت گزر جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرتِ زینب کی دل جوئی کے لیے اُن کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا۔ پیغامِ نکاح ملتے ہی حضرتِ زینب نے سجدۂ شکرادا کرتے ہوئے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ اِلتجا کی:

❁ **''اے اللہ! اگر مَیں تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زوجہ بننے کے لائق ہوں تو تُو میرا نکاح اُن سے پڑھا دے''**۔ اُن کی دعا قبول ہوئی اور رب تبارک وتعالیٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی:

❁ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا۔ ترجمہ: جب زید نے اُس سے حاجت پوری کر لی [یعنی زینب کو طلاق دے دی اور عدت گزر گئی] تو ہم نے اُس [زینب] کا نکاح آپ کے ساتھ کر دیا۔[1]

❁ جب حضرتِ زینب کو یہ خوش خبری ملی تو اُنھوں نے شکریہ میں دو ماہ لگاتار روزے رکھے اور خوش خبری سنانے والی خادمہ کو اپنے زیور اُتار کر اِنعام میں دیے۔

آپ رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی فضیلت تو یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے آپ کا نکاح خود پروردگارِ عالَم نے پڑھایا۔ اِس کے علاوہ بھی کئی حدیثوں میں آپ رضی اللہ عنہا کے فضائل ومناقب بیان کیے گئے ہیں۔ ایک روایت ملاحظہ فرمائیں:

---

[1] [سورۂ احزاب، آیت نمبر: ۳۷]

❁ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: میری وفات کے بعد اَزواجِ مطہرات میں سے سب سے پہلے اُس کی وفات ہوگی جس کا ہاتھ سب سے زیادہ لمبا ہے۔ یہ سن کر تمام ازواجِ مطہرات نے ایک لکڑی لے کر اپنا ہاتھ ناپا، تو حضرت سَودہ رضی اللہ عنہا کا ہاتھ سب سے زیادہ لمبا نکلا؛ مگر جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد سب سے پہلے حضرتِ زینب رضی اللہ عنہا نے وفات پائی تو لوگوں کو پتا چلا کہ **''ہاتھ لمبا ہونے سے''** مراد **''کثرت کے ساتھ صدقات وخیرات کرنا''** ہے؛ کیوں کہ وہ اپنے ہاتھ سے دست کاری کرتی تھیں اور اُس کی آمدنی فقیروں میں تقسیم کر دیتی تھیں۔[۱]

❁ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ۲۰/ یا ۲۱/ ہجری میں ۵۳/ برس کی عمر پا کر مدینۂ منورہ میں وفات پائی، حضرت عمر فاروقِ اعظم نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔[۲]

حضرتِ زینب بنت خُزَیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

زمانۂ جاہلیت میں، کثرت کے ساتھ فقرا و مساکین کو کھانا کھلانے کے سبب اِنھیں ''ام المساکین'' کہا جاتا تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت فیاض وسخی ہونے کے ساتھ ساتھ حسنِ ظاہر و باطن کا حسین سنگم تھیں۔ پہلے آپ، حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں؛ مگر جب وہ جنگِ اُحُد میں شہید ہو گئے تو ۳/ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آپ سے نکاح فرما لیا۔

❁ یہ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے نکاح کے بعد صرف دو یا تین مہینے ہی زندہ رہیں اور ۴/ ہجری میں تیس سال کی عمر میں وفات پا گئیں۔ اِن کی تدفین بھی جنت البقیع میں دیگر ازواجِ مطہرات کے پہلو میں عمل میں آئی۔[۳]

---

۱ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص: ۶۷۰ تا ۶۷۲]

۲ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص: ۶۷۴]

۳ [ملخصاً من المواهب اللدنیۃ، ج ۴: ص: ۴۱۶ تا ۴۱۷]

حضرتِ سیدتنا میمونہ رضی اللہ عنہا:

آپ رضی اللہ عنہا، حضرتِ زینب بنتِ خزیمہ رضی اللہ عنہا کی ماں شریک بہن ہیں۔ اِن کے والد کا نام ''حارث'' اور والدہ کا نام ''ہند'' ہے۔ اِن کا نام پہلے ''بَرَّہ'' تھا؛ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِنھیں ''مَیْمُوْنَہْ'' [برکت دینے والی] سے موسوم کر دیا۔

❁ یہ پہلے ''اَبو رُہم بن عبد العُزّیٰ'' کے نکاح میں تھیں، مگر جب سات ہجری میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمرۃ القضاء کے لیے مکۂ مکرمہ تشریف لے گئے تو یہ بیوہ ہو چکی تھیں۔ اپنے پیارے چچا حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے مشورے سے آپ نے اِن سے نکاح فرما کر اِنھیں ''ام المومنین'' کے معزّز لقب سے سرفراز فرمایا۔

❁ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری زوجۂ مبارکہ ہیں، اِن کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں فرمایا۔[۱]

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال کے سال میں مؤرِّخین کا اختلاف ہے؛ مگر مشہور قول یہ ہے کہ اِنھوں نے ''۵۱ رہجری'' میں مقامِ ''سَرِف'' میں وفات پائی، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِنھیں اپنی صحبت و قُربَت سے نوازا تھا۔[۲]

حضرتِ سیدتنا جُوَیرِیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

یہ، قبیلۂ بنو مُصطَلِق کے سب سے بڑے سردار ''حارث بن ابو ضِرار'' کی بیٹی ہیں۔ اِن کا بھی اصلی نام ''بَرَّۃ'' تھا؛ مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''جُوَیْرِیَہْ'' سے موسوم کیا۔ یہ بہت ہی عبادت گزار خاتون تھیں، نمازِ فجر سے نمازِ چاشت تک ہمیشہ اوراد و وظائف میں مشغول رہا کرتی تھی۔

❁ غزوۂ مُرَیسِیع میں مسلمانوں نے جن کافروں کو قیدی بنایا تھا، اُن میں ''حضرت جویریہ''

---

۱ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص: ۶۷۶-۶۷۷]

۲ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص: ۶۷۷]

بھی تھیں۔ جب قیدیوں کو غلام اور باندی بنا کر مجاہدینِ اسلام میں تقسیم کیا گیا تو یہ، حضرت ثابت بن قیس کے حصے میں آئیں۔ حضرتِ ثابت نے اُن سے کہا:

❁ اگر تم مجھے اِتنی اِتنی رقم دے دو تو میں تمھیں آزاد کردوں گا۔ حضرت جویریہ سیدھے حضور ﷺ کی بارگاہِ بے کس نواز میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئیں۔ یا رسولَ اللہ! میں بنو مصطلق کے سردارِ اعظم کی بیٹی ہوں، میرا پورا قبیلہ گرفتار ہو چکا ہے، ثابت بن قیس نے آزادی کے بدلے مجھ سے اِتنی اِتنی رقم کا مطالبہ کیا ہے، حضور! مَیں مسلمان ہو چکی ہوں؛ مگر اِس وقت مسکین ہوں، آپ میری مدد فرمائیے!

اُن کی فریاد سن کر حضور ﷺ نے نہایت مشفقانہ انداز میں اُن سے فرمایا:

❁ اگر مَیں تمھارے ساتھ اِس سے بہتر سلوک کروں تو کیا تم منظور کر لوگی؟ اُنھوں نے کہا: آپ میرے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہتے ہیں؟ سیدِ کونین ﷺ نے فرمایا: مَیں چاہتا ہوں کہ تمھاری طرف سے پوری رقم ادا کر کے تمھیں آزاد کردوں اور تم سے نکاح کر کے تمھارے خاندانی وقار کو دوبالا کردوں۔ حضرتِ جویریہ نے انتہائی مسرت کے ساتھ اِس پیش کش کو قبول کیا، حضور ﷺ نے ساری رقم ادا فرما کر، آزادی کا پروانہ عطا کیا اور اپنی ازواجِ مطہرات میں داخل فرما کر ہمیشہ کے لیے اُنھیں **''ام المومنین''** کے لقب سے سرفراز فرمایا۔

❁ جب مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے حضرتِ جویریہ سے نکاح فرما لیا ہے تو انھوں نے کہا: جس خاندان میں رسولِ پاک ﷺ نے نکاح فرما لیا، اُس کا کوئی بھی فرد لونڈی اور غلام نہیں رہ سکتا، چناں چہ مجاہدینِ اسلام نے تمام باندیوں اور غلاموں کو آزاد کردیا۔

❁ آپ رضی اللہ عنہا نے ۵۰ھ ہجری میں ۶۵ برس کی عمر پا کر مدینۂ طیبہ میں وفات پائی، حاکمِ مدینہ مروان بن حَکَم نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع کے قبرستان میں مدفون ہوئیں۔[1]

---

[1] [ملخصاً من المواہب اللدنیۃ، ج:۴، ص:۴۲۴ تا ۴۲۸]

حضرت سیدتنا صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اصلی نام ''زَینب'' تھا؛ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدل کر ''صَفِیَّہ'' کر دیا۔ یہ، یہودیوں کے قبیلے ''بنونَضِیر'' کے سب سے بڑے سردار ''حُیَیؓ بن اَخطب'' کی بیٹی ہیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خاندانِ بنی اسرائیل میں سے، حضرت سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے بھائی حضرت سیدنا ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ اِن کا شوہر ''کِنانَہ'' جنگِ خیبر میں قتل ہو گیا تھا۔[1]

جنگِ خیبر کے بعد، حضرتِ صفیہ سمیت جب تمام جنگی قیدی جمع کیے گئے تو حضرتِ دِحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے آقاے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو کر ایک باندی کا مطالبہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس باندی کو لینا چاہو لے لو۔ اُنھوں نے حضرتِ صفیہ کا اِنتخاب کیا۔ ایک صحابی نے عرض کی: یا رسول اللہ! صفیہ شہزادی ہیں، اِن کے خاندانی اِعزاز کا تقاضا یہ ہے آپ اِنھیں منتخب فرما کر اَزواجِ مطہرات میں شامل فرمالیں۔

❁ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابی کے مشورے کو قبول فرمایا اور حضرتِ صفیہ کو، حضرتِ دحیہ کلبی سے لے کر اُنھیں ایک دوسری باندی عطا فرمائی، پھر حضرتِ صفیہ کو آزاد فرما کر اُن سے نکاح فرمالیا اور اُنھیں ''ام المومنین'' کے گراں قدر لقب سے مشرَّف فرمایا۔[2]

جامعِ ترمذی کے اندر یہ روایت موجود ہے کہ

❁ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرتِ صفیہ کو روتے ہوئے دیکھ کر، رونے کا سبب دریافت کیا۔ اُنھوں نے کہا: یا رسول اللہ! حضرتِ عائشہ اور حضرتِ حفصہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ہم تم سے زیادہ عزت دار ہیں؛ کیوں کہ ہمارا خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان

---

۱ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص: ۶۸۱]

۲ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص: ۶۸۲]

سے ملتا ہے۔ یہ سن کر حضور رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نے اُن سے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ تم دونوں مجھ سے بہتر بھلا کیسے ہوسکتی ہو۔ میرے باپ حضرت ہارون علیہ السلام ہیں، میرے چچا حضرتِ موسیٰ علیہ السلام ہیں اور میرے شوہر حضرتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔[1]

- ۵۲ رہجری میں ساٹھ برس کی عمر میں آپ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا اور مدینۂ منورہ کے مشہور قبرستان جنت البقیع میں سپردِ خاک کی گئیں۔[2]

---

۱ [الجامع للامام الترمذی، کتاب المناقب، باب فضل ازواج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، رقم الحدیث: ۴۷۴]

۲ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص: ۶۸۴]

چھٹا باب

امام الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلقین

خاص خادموں کے نام:

یوں تو تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضور شمعِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پروانے تھے اور سبھی حضرات حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں، خدمت گزاری کے لیے، ہمہ وقت تن من دھن کے ساتھ حاضر رہا کرتے تھے؛ لیکن چند ایسے خوش نصیب ہیں جن کا شمار آپ کے خاص خادموں میں ہوتا ہے۔ اُن خوش نصیبوں میں مندرجہ ذیل حضرات خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں:

- حضرت سیدنا انس بن مالک
- حضرت سیدنا ایمن بن اُمِّ ایمن
- حضرت سیدنا ربیعہ بن کعب اسلمی
- حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود
- حضرت سیدنا عُقبہ بن عامر
- حضرت سیدنا اسلع بن شریک
- حضرت سیدنا ابوذر غفاری
- حضرت سیدنا مہاجر مولیٰ امِ سلمہ
- حضرتِ حنین مولیٰ عباس۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

خصوصی محافظین کے اسما:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جاں نثار پہرے داروں میں مندرجہ ذَیل صحابۂ کرام خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں:

- حضرت سیدنا صدیقِ اکبر
- حضرت سعد بن معاذ
- حضرت سیدنا محمد بن مَسلمہ
- حضرت ذَکوان بن عبد قیس

- حضرت سیدنا زبیر بن عوام
- حضرت سیدنا سعد بن ابووقاص
- حضرت سیدنا عَبّاد بن بِشر
- حضرت سیدنا ابوایوب انصاری
- حضرت سیدنا بلال بن رَباح
- حضرت سیدنا مغیرہ بن شعبہ۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔[1]

اِن حضرات کے پہرہ دینے کی **خاص وجہ** یہ تھی کہ کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ سبھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانی دشمن تھے اور ہر وقت آپ کو شہید کرنے کی تاک میں رہا کرتے تھے؛ بلکہ بار ہا آپ پر قاتلانہ حملہ بھی کر چکے تھے۔ اِس لیے جاں نثار صحابۂ کرام باری باری راتوں کو جاگ کر، اپنے ہاتھوں میں ننگی تلواریں لے کر، اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب گاہوں کا پہرہ دیا کرتے تھے۔[2]

کاتبانِ وَحی:

جو صحابۂ کرام قرآنِ مقدس کی نازل ہونے والی آیتوں اور دوسری خاص تحریروں کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق لکھا کرتے تھے، اُن معتمَد کاتبوں میں مندرجہ ذَیل حضرات خصوصیت کے حامل ہیں:

- حضرت ابوبکر صدیق
- حضرت عمر فاروقِ اعظم
- حضرت عثمانِ غنی
- حضرت علی مرتضیٰ
- حضرت طلحہ بن عبید اللہ
- حضرت سعد بن ابووقاص
- حضرت زبیر بن عوام
- حضرت عامر بن فہیرہ
- حضرت ثابت بن قیس
- حضرت حنظلہ بن ربیع
- حضرت زید بن ثابت
- حضرت اُبَی بن کعب

۱ [سیرتِ مصطفیٰ، ص:۷۰۵-۷۰۶]

۲ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص:۷۰۵]

حضرت امیرِ معاویہ
حضرت ابوسفیان۔[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

دربارِ نبوت کے مخصوص شُعَرا:

یوں تو بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح و ثنا میں قصیدے لکھنے کی سعادت سے سرفراز ہوئے ؛مگر دربارِ رسالت کے مخصوص شعرائے کرام ''تین'' ہیں، جو اپنے شان دار قصیدوں کے ذریعے آقائے دو عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف وتوصیف بھی کرتے اور کافروں کے شاعرانہ حملوں کا دنداں شکن جواب بھی دیتے ۔اُن ''تینوں خوش نصیبوں'' کے نام یہ ہیں:

- حضرت کعب بن مالک انصاری
- حضرت عبداللہ بن رواحہ
- حضرت حسان بن ثابت۔رضی اللہ عنہم اجمعین۔

خصوصی مؤذنین:

حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصوصی مؤذنوں کی تعداد''چار'' ہے:

- حضرت سیدنا بلال بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔آپ مسجدِ نبوی شریف میں مؤذن تھے۔
- حضرت سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔آپ بھی مسجدِ نبوی میں اذان دینے کی خدمت پر مامور تھے۔
- حضرت سیدنا سعد بن عائذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔اِنھیں مسجد قُبا میں اذان دینے کا شرف حاصل تھا۔
- حضرت سیدنا ابومحذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔آپ مسجدِ حرام میں اذان دیا کرتے تھے۔[2]

---

۱ [مدارج النبوۃ ،ج:۲،ص:۶۱۰تا۶۲۰]

۲ [سیرتِ مصطفیٰ،ص:۷۰۸]

عَشَرَہ مُبَشَّرَہ:

چاروں خلفاے راشدین اور مندرجہ ذیل چھ حضرات صحابہ کو "عَشَرَہ مُبَشَّرَہ" کہا جاتا ہے:

- حضرت سیدنا طلحہ بن عبید اللہ
- حضرت سیدنا زُبیر بن عَوّام
- حضرت سیدنا عبدالرحمٰن بن عَوف
- حضرت سیدنا سعد بن ابووقاص
- حضرت سیدنا سعید بن زید
- حضرت سیدنا ابو عُبیدَہ بن

جَرّاح۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ عشرۂ مبشرہ کا ترجمہ ہے "**وہ دس خوش نصیب صحابہ جنھیں دنیا میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبانِ کرم سے ایک ساتھ جنت کی بشارت دی گئی**"۔

وہ دسوں جن کو جنت کا مژدہ ملا　　　اُس مبارک جماعت پہ لاکھوں سلام

مقدس باندیاں:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی چار مقدس باندیاں بھی تھیں۔ اُن مقدس باندیوں کے نام یہ ہیں:

- **حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:**

اِن کو مصر وسکندریہ کے بادشاہ نے بارگاہِ رسالت میں چند تحفوں کے ساتھ بطورِ ہبہ نذر کیا تھا۔ یہ انتہائی حسین وجمیل تھیں، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمِّ وَلَد ہیں؛ کیوں کہ آپ کے فرزند حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ اِنھی کے مبارک بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ ۱۵ یا ۱۶ ہجری میں آپ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی اور جنت البقیع آپ کا مدفن بنا۔

- **حضرت رَیحانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:**

یہ یہود کے خاندان "بنو قُریظہ" سے تھیں۔ گرفتار ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہِ عالی میں آئیں اور چند دنوں کے بعد اسلام قبول کر کے، تادمِ حیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی باندی بن کر رہنے کا شرف حاصل کیا۔ آپ رضی اللہ عنہا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے ہی ۱۰ ر ہجری میں وفات پا کر

جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

✽ **حضرت نفیسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:**

یہ پہلے حضرت زینب بنت جحش کی لونڈی تھیں، اُنھوں نے اِن کو حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی خدمت میں بطورِ ہبہ نذر کر دیا اور یہ آقاے کریم ﷺ کے کاشانۂ نبوت میں باندی کی حیثیت سے رہنے لگیں۔

✽ **چوتھی باندی صاحبہ رضی اللہ عنہا:**

حضور ﷺ کی ایک چوتھی باندی صاحبہ بھی تھیں؛ مگر اُن کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ یہ کسی جہاد میں گرفتار ہو کر بارگاہِ رسالت میں آئیں اور باندی بن کر، رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے سرفراز ہوئیں۔[1]

چند جاں نثار صحابۂ کرام:

آقاے کریم ﷺ کے چند مقدس صحابہ کے چمکتے دمکتے نام ملاحظہ فرمائیں!

✽ حضرتِ خالد بن ولید ✽ حضرتِ سلمانِ فارسی
✽ حضرتِ زید بن حارثہ ✽ حضرتِ حنظلہ
✽ حضرتِ ابوایوب انصاری ✽ حضرتِ صہیب رومی
✽ حضرتِ عدی بن حاتم ✽ حضرتِ سعد بن معاذ
✽ حضرتِ عمار بن یاسر ✽ حضرتِ مقداد بن اسود
✽ حضرتِ ابوذر غفاری۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

---

۱ [ملخصاً از سیرتِ مصطفیٰ، ص: ۶۸۵ تا ۶۸۷]

بعض مقدس صحابیات:

چند صحابیات کے روشن وتاباں اسماے گرامی ملاحظہ فرمائیں!

- حضرتِ ام عطیہ
- حضرتِ اسما بنت ابوبکر
- حضرتِ ام عمارہ
- حضرتِ اسما بنت زید
- حضرتِ فاطمہ بنت اسد
- حضرتِ اسما بنت عمیس
- حضرتِ ام حرام
- حضرتِ ہندہ
- حضرتِ امّ اَوس
- حضرتِ ام ہانی [فاختہ بنت ابوطالب]۔
- حضرتِ ام سُلَیم۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہن اجمعین۔

تَمَّتْ بِالْخَیْرِ

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ

صَلَاۃً دَآئِمَۃً مَّقْبُوْلَۃً تُؤَدِّیْ بِہَا عَنَّا حَقَّہُ الْعَظِیْمَ۔

مآخذ و مراجع

شمار نمبر	کتب	مؤلفین
1	القرآن المجید	منزل من اللہ عزوجل
2	صحیح البخاری	امام محمد بن اسماعیل بخاری
3	صحیح مسلم	امام مسلم بن حجاج بن مسلم قشیری
4	سنن ابی داؤد	امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی
5	سنن الترمذی	امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی
6	الخصائص الکبریٰ	امام جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی
7	مشکاۃ المصابیح	شیخ محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی
8	مجمع الزوائد	حافظ نورالدین علی بن ابوبکر ہیثمی
9	کنزالعمال	علامہ علاءالدین علی متقی ہندی
10	الجامع الصغیر	امام جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی
11	الادب المفرد	امام محمد بن اسماعیل بخاری
12	سنن الدارمی	امام حافظ عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی
13	الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ	قاضی ابوالفضل عیاض مالکی
14	حقیقتِ محمدی	سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی
15	نسیم الریاض	علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری
16	الوفا بأحوال المصطفیٰ	علامہ عبدالرحمٰن بن ابوالحسین ابن جوزی
17	البدایۃ والنہایۃ	علامہ عمادالدین اسماعیل بن عمر بن کثیر
18	سبل الہدیٰ والرشاد	امام محمد بن یوسف صالحی شامی
19	الدرالثمین	شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم محدث دہلوی

21	السیرۃ النبویۃ لابن ہشام	امام ابو محمد عبد الملک بن ہشام
21	الروض الانف	امام عبد الرحمٰن بن عبد اللہ سہیلی
22	المواہب اللدنیۃ	امام شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی
23	شرح المواہب اللدنیۃ	امام محمد بن عبد الباقی بن یوسف زرقانی
24	المواہب اللدنیۃ علی الشمائل المحمدیۃ	شیخ ابراہیم بن محمد باجوری
25	جواہر البحار فی فضائل النبی المختار	علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی
26	الانوار المحمدیۃ	علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی
27	الشمائل المحمدیۃ	امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی
28	تہذیب السیرۃ	امام ابو محمد عبد الملک بن ہشام
29	دلائل النبوۃ	حافظ ابو بکر احمد بن حسین بن علی بیہقی
30	السیرۃ النبویۃ	حافظ ابو القاسم علی بن ابو محمد ابن عساکر
31	جمع الوسائل فی شرح الشمائل	علامہ علی بن سلطان قاری
32	مطالع المسرات	امام محمد مہدی بن احمد الفاسی
33	مدارج النبوۃ	شیخ عبد الحق محدث دہلوی
34	ضیاء النبی	علامہ کرم شاہ ازہری
35	سیرتِ مصطفیٰ	علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی
36	تاریخ الخلفاء	امام جلال الدین سیوطی
37	تاریخ ابن خلدون	عبد الرحمٰن بن محمد ابن خلدون
38	خطباتِ محرم	مفتی جلال الدین صاحب امجدی
39	دیوانِ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ	محقق عبد الرحمٰن برقوقی
40	قصیدۃ البردۃ	امام شرف الدین محمد بوصیری
41	حدائق بخشش	امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ

تعارف

دار العلوم محبوب سبحانی و بزمِ فیضانِ رضا

حضرت علامہ و مولانا سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی دام ظلہ
صدر المدرسین دار العلوم محبوب سبحانی، کرلا، ممبئی۔

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ممبئ عظمیٰ (صوبۂ مہاراشٹر، ہند) میں دار العلوم محبوبِ سبحانی مسلکِ حق اہلِ سنت و جماعت، مسلکِ اعلیٰ حضرت کی صحیح ترجمانی کرنے والا ایسا معروف ادارہ ہے، جو اپنے مستحکم نظامِ تربیت، بلند معیارِ تدریس اور عصرِ جدید سے ہم آہنگ نصابِ تعلیم کی بنیاد پر اپنی الگ شناخت رکھتا ہے۔

کوئی ۴۵ / برس قبل، فاضلِ جامعہ اشرفیہ مبارک پور، تلمیذِ حضور حافظِ ملت، حضرت علامہ مفتی شاہ عبد الرحیم صاحب قبلہ ساحل مصباحی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفّٰی ۲۷/ مئی / ۲۰۰۵ء) نے سرزمینِ کرلا ویسٹ ممبئ میں بالکل لبِ روڈ اِس ادارے کی بنیاد ڈال کر تعلیم و تدریس کا آغاز فرمایا تھا۔ شروع ہی سے یہ ادارہ معیاری تعلیم اور عمدہ نظم و نسق کے سبب عوام و خواص کے مابین متعارف رہا، اور اب چار دہائیاں گزر جانے کے بعد، اِس کا علمی، تعلیمی، تربیتی، تبلیغی اور اشاعتی منہج اِس قدر منظم، مستحکم اور پائیدار ہو چکا ہے کہ پورے ملک میں اِسے ایک کامیاب ادارے کی شکل میں دیکھا جا رہا ہے۔ اگر اِس کے اراکین و منتظمین کی مساعیِ جمیلہ اور اساتذہ و مدرسین کی پیہم کاوشیں یوں ہی جاری رہیں تو مستقبل قریب میں یہ ادارہ ایک عظیم الشان جامعہ بن کر ابھرے گا۔ ان شاء اللہ تبارك و تعالیٰ۔

ویسے تو یہ ادارہ صوبۂ مہاراشٹر میں کسی تعارف و تذکرے کا محتاج نہیں؛ مگر چوں کہ آج سائنس و ٹکنالوجی کی ترقی نے پوری دنیا کو ایک شہر، بلکہ ایک چھوٹے سے محلے میں تبدیل کر دیا ہے۔ انٹرنیٹ کے زمانے میں، نیٹ پر دستیاب کتابوں کا مطالعہ کسی بھی ملک و شہر سے کیا جا سکتا ہے۔ اِس لیے پوری دنیا کے

علمی حلقوں میں متعارف و مانوس کرانے کے لیے ادارہ اور اِس کے متحرک و فعال طلبہ کی انجمن ''بزمِ فیضانِ رضا'' کا مختصراً تعارف کر دینا مناسب معلوم ہو رہا ہے۔

دار العلوم محبوبِ سبحانی، ممبئی، مہاراشٹر، ہند:

ایک صحیح اندازے کے مطابق ۱۹۴۹ء کے آس پاس چند دین دار حضرات نے ایک مسجد کا سنگِ بنیاد رکھ کر سرکارِ غوثِ اعظم کی نسبت سے اسے ''محبوبِ سبحانی مسجد'' کے نام سے موسوم کیا۔ تلاشِ بسیار کے باوجود یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کن سعادت مندوں کے ہاتھوں اِس کی تعمیر عمل میں آئی تھی۔ ۱۹۴۹ء سے ۱۹۷۶ء تک اِسی مسجد کے احاطے میں اہلِ محلہ کے نونہالوں کے لیے دینیات و ناظرہ کی تعلیم ہوتی رہی۔ ۱۹۷۶ء کے اواخر میں اِس خطے کا اقبال بلند ہوا اور بفضلہٖ تعالیٰ، پروردۂ حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ، زاہدِ بے ریا، عمدۃ الأصفیا، زبدۃ الأتقیا حضرت علامہ مفتی عبد الرحیم صاحب قبلہ ساحلؔ مصباحی -رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ- کی آمد سے اِس کی رونقِ ظاہری و باطنی دوبالا ہوئی۔ حضورِ والا مرتبت کی اَن تھک کوششوں کا ثمرہ یوں برآمد ہوا کہ ۱۹۷۷ء ہی سے حفظ و درسِ نظامی کی تعلیم کا باضابطہ آغاز ہو گیا اور ۱۹۹۵ء تک مسجد ہی کی عمارت میں یہ سلسلۂ تعلیم جاری رہا۔

۱۹۹۵ء تک حضرتِ موصوف اپنی مخلصانہ و داعیانہ کوششوں کی بدولت اراکین و منتظمین کے دلوں کو دین و مذہب کی خدمت کے جذبۂ صادق سے لبریز کر چکے تھے، چناں چہ حضرتِ ممدوح کی تحریک پر آپ ہی کی سرپرستی میں اربابِ حل و عقد نے ادارے کی تعمیرِ نَو کا منصوبہ بنایا، سرمایہ جمع کیا اور خانوادۂ مارہرہ کے عظیم روحانی پیشوا، حضور احسن العلما رحمۃ اللہ علیہ سے سنگِ بنیاد رکھنے کی التجا کی۔ حضور اپنی علالت کے سبب خود تو نہ آ سکے؛ لیکن اپنے شہزادے حضرت سید محمد اشرف میاں مارہروی مدظلہ العالی کو سنگِ بنیاد کے لیے ایک اینٹ دے کر بھیجا، اور اِس طرح سے حضرت سید محمد اشرف صاحب اور حضرت علامہ سید کمیل اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہما کے مبارک ہاتھوں سے ادارے کی تعمیرِ نو کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور چار منزلہ نہایت مضبوط، شان دار، زلزلہ پروف، سنگ مرمر سے مرصع بہت خوب صورت عمارت کی تعمیر عمل میں آئی۔ ساتھ ہی مسجد سے بالکل متصل ''زبیدہ'' نامی ایک وسیع و عریض تین منزلہ ہوٹل خرید کر ادارے کے نام وقف کیا گیا۔ تا دمِ ایں انھی دونوں عمارتوں میں ادارے کی تعلیمی سرگرمیوں کا سلسلہ جاری ہے۔

اِس برقی دور میں سائنسی علوم وفنون کی اہمیت وافادیت سے کسی بھی صاحب عقل کو انکار نہیں ہو سکتا، پھر طلبۂ اسلام کو کامیاب داعی بنانے کے لیے انھیں جدید آلاتِ تبلیغ سے لیس کرنا اور اُن میں دینی و عصری علوم کا امتزاج پیدا کرنے کے لیے ٹیکنیکل کورسز کے ادارے اور انسٹی ٹیوٹس قائم کرنا بھی ضروری ہے؛ اِس لیے طالبانِ علوم شرعیہ کے لیے بالخصوص اور مسلمانانِ اہلِ سنت کے بچوں کے لیے بالعموم ''ٹیکنکل اور میڈکل کالجز،، نیز قوم کو فنِّ تعلیم وتربیت سے آراستہ کرنے والی معلمات ومبلغات عطا کرنے کے لیے ایک بڑے '' كلية البنات،، (گرلس کالج) کی ضرورت شدت کے ساتھ محسوس ہوئی؛ لیکن اِن اغراض ومقاصد کی تکمیل کے لیے اِس کی موجودہ عمارت کافی تنگ ثابت ہو رہی ہے اور تشنگاہِ علومِ نبویہ کی کثرت و ہجوم نے بھی اِسے ناکافی بنا دیا ہے۔ اِس لیے کرلا، ممبئی سے تقریباً ۷۰ رکلومیٹر دور بیرونی شہر مہاپولی، بھیونڈی میں تقریباً آٹھ ایکڑ (چالیس بیگھا) پر مشتمل نہایت وسیع وعریض ہموار زمین کی خریداری چند سال قبل عمل میں آچکی ہے۔ اگر اہلِ ثروت حضرات نے توجہ مبذول فرمائی تو جلد ہی تعمیری کام کا آغاز ہوگا اور اِس کی فلک بوس اور پرشکوہ عمارتیں دیکھ کر اہلِ باطل کی نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، إن شاء الله تبارك وتعالىٰ۔

موجودہ اراکین و منتظمین میں یہ حضرات اہم ہیں:

[۱] الحاج جناب محمد عارف نسیم خان صاحب قبلہ (صدرِ اعلیٰ)۔

[۲] الحاج جناب محمد یعقوب خان صاحب قبلہ برکاتی (نائب صدر)۔

[۳] الحاج جناب کلیم اللہ صاحب قبلہ نظامی (سیکریٹری)۔

[۴] جناب الحاج عنایت اللہ صاحب قبلہ برکاتی (خزانچی)۔

[۵] جناب الحاج اظہار الحسن صاحب قبلہ (نائب سیکریٹری)۔

اساتذۂ کرام شعبۂ درسِ نظامی:

[۱] راقم الحروف سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی: صدر المدرسین۔

[۲] حضرت علامہ محمد امجد علی صاحب قبلہ مصباحی: شیخ الحدیث۔

[۳] حضرت علامہ مفتی سید محمد شاکر صاحب سیفی مصباحی: مفتیِ ادارہ۔

[۴] حضرت علامہ محمد شمیم صاحب مصباحی: نائب شیخ الحدیث۔

[۵] حضرت علامہ محمد فاروق خان صاحب مصباحی: استاذ و نائب مفتی۔

[۶] حضرت علامہ محمد حبیب الرحمٰن صاحب امجدی: استاذ درسِ نظامی۔

[۷] حضرت علامہ مفتی محمد وسیم صاحب قادری مصباحی: استاذ و نائب مفتی۔

[۸] حضرت علامہ محمد فیروز احمد صاحب قادری مصباحی: استاذ درسِ نظامی۔

[۹] حضرت علامہ بشیر اسلم صاحب قبلہ سبحانی: استاذ درسِ نظامی۔

[۱۰] حضرت علامہ ذوالفقار علی صاحب قبلہ برکاتی سبحانی: استاذ درسِ نظامی۔

[۱۱] حضرت علامہ محمد طاہر حسین صاحب مصباحی: استاذ درسِ نظامی۔

[۱۲] حضرت علامہ محمد رحمانی صاحب مصباحی۔ نگراں واستاذ درس نظامی۔

[۱۳] حضرت مولانا منصور احمد صاحب۔ استاذ انگلش۔

[۱۴] حضرت علامہ نصر الدین صاحب سبحانی۔ استاذ کمپیوٹر۔

[۱۵] حضرت ماسٹر حسین صاحب۔ استاذ انگلش۔

اساتذۂ کرام شعبۂ تجوید وتحفیظ:

[۱] حضرت حافظ وقاری منور حسین صاحب: سابق ناظمِ اعلیٰ۔

[۲] حضرت مولانا قاری محمد مزمل حسین صاحب قبلہ: شیخ القراء۔

[۳] حضرت حافظ وقاری محمد حسیب الرضا صاحب قبلہ نوری ضیائی: استاذ شعبۂ حفظ وقراءت

[۴] حضرت مولانا حافظ وقاری غلام احمد رضا صاحب سبحانی: استاذ شعبۂ حفظ۔

[۵] حضرت حافظ وقاری سید محمد حسن صاحب قبلہ: استاذ شعبۂ حفظ۔

[۶] حضرت مولانا حافظ وقاری ارشاد احمد صاحب قبلہ سبحانی: استاذ شعبۂ حفظ۔

[۷] حضرت حافظ وقاری ہارون صاحب قبلہ: استاد شعبۂ حفظ وقراءت۔

[۸] حضرت حافظ وقاری اسرار احمد صاحب قبلہ: استاد شعبۂ حفظ۔

[۹] حضرت مولانا حافظ وقاری محمد کلیم احمد صاحب سبحانی: استاد شعبۂ حفظ۔

اساتذۂ کرام شعبۂ دینیات:

[۱] حضرت مولانا حافظ وقاری محمد رفیق احمد صاحب سبحانی۔

[۲] حضرت مولانا حافظ وقاری معین الدین صاحب سبحانی۔

[۳] حضرت حافظ وقاری محمد شریف احمد صاحب سبحانی۔

[۴] حضرت مولانا قاری محمد غلام غوث صاحب سبحانی۔

[۵] حضرت حافظ وقاری احمد رضا صاحب سبحانی۔

[۶] حضرت مولانا حافظ وقاری عبید رضا صاحب منظری۔

[۷] حضرت مولانا محمد خورشید رضا صاحب قبلہ سبحانی:

[۸] حضرت مولانا محمد عتیق اللہ صاحب قبلہ سبحانی: آفس انچارج۔

[۹] حضرت مولانا قاری رئیس احمد صاحب سبحانی۔

[۱۰] حضرت مولانا قاری شکیل احمد صاحب سبحانی۔

[۱۱] حضرت حافظ وقاری عبدالمعید صاحب۔

تعلیمی شعبے یہ ہیں:

[۱] شعبۂ دینیات بالتجوید برائے طلبہ وطالبات: تعدادِ طلبہ تقریباً سات سو۔

[۲] تحفیظ بالحدر: تعدادِ طلبہ تقریباً پونے دوسو۔

[۳] قراءت بروایتِ حفص: از طلبۂ ثانیہ تا رابعہ لازم۔

[۴] مشق وترتیل: برائے طلبۂ حفظ، اعدادیہ اور اولیٰ لازم۔

[۵] قراءت بروایتِ سبعہ، برائے جماعتِ فضیلت۔

[۶] درسِ نظامی از اعدادیہ تا فضیلت: تعدادِ طلبہ تقریباً پونے تین سو۔

[۷] انگلش: از اعدادیہ تا فضیلت لازم۔

[۸] کمپیوٹر: از سادسہ تا فضیلت لازم۔

[۹] اسکول از کے۔جی تا ۸ کلاس برائے اطفال۔

[۱۰] شعبۂ نشر واشاعت۔

خلاصہ یہ کہ دار العلوم محبوبِ سبحانی اپنی تعلیمی وتبلیغی سرگرمیوں کے باعث مہاراشٹر کی سرزمین پر ایک امتیازی شان رکھتا ہے۔سرکارِ غوثِ اعظم-رضی اللہ تعالیٰ عنہ- کے فیضانِ کرم اور مشائخ کرام کی دعاؤں سے روز بروز ترقی کی طرف گامزن ہے۔ اِس کے تعلیمی وتعمیری، علمی وتحریری شعبے ترقی کی جانب گامزن ہیں۔ادارے سے اب تک تقریباً ڈیڑھ ہزار طلبہ فارغ ہوکر ملک کے گوشے گوشے میں مسلکِ اہلِ سنت کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ یہاں ازہرِ ہند "الجامعة الاشرفیه" مبارک پور، اعظم گڑھ کے نصاب کے مطابق تعلیم دی جاتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ یہاں کے متعلمین ''جامعہ اشرفیہ'' و''جامعہ علیمیہ'' جیسے ملک کے مایۂ ناز اداروں میں نہ صرف یہ کہ داخلہ لینے میں کامیاب ہوجاتے ہیں؛ بلکہ ششماہی و سالانہ امتحانات میں نمایاں کامیابی حاصل کرکے، فتح وکامرانی کے جھنڈے گاڑتے ہوئے سندِ فراغت حاصل کرتے ہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلك۔

بزمِ فیضانِ رضا:

دار العلوم محبوبِ سبحانی کے متحرک وفعال، حوصلہ منداور باذوق طلبہ کی انجمن کا نام ''بزمِ فیضانِ رضا'' ہے، یہ انجمن بانی ادارہ حضرت علامہ عبد الرحیم خان صاحب قبلہ -رحمة الله تعالیٰ علیه- کی سرپرستی میں ۱۹۸۳ء میں قائم ہوئی۔ یومِ قیام سے لے کر اب تک اِس بزم پر مجددِ اعظم امام احمد رضا خان -رضی الله تعالیٰ عنه -کا فیضِ کرم ابرِ بارندہ بن کر برس رہا ہےاوران شاء اللہ تعالیٰ صبحِ قیامت تک برستا رہے گا۔

یہ بزم درحقیقت اِن شاہیں صفت طلبہ کا ترویجی، اشاعتی، تربیتی اور تبلیغی ادارہ ہے، جس کا مقصد اگر ایک طرف مطبوعہ درسی وغیر درسی کتب ورسائل وجرائد کی ذخیرہ اندوزی ہےتو دوسری طرف یہ بھی ہے کہ دنیاے سنیت کے اربابِ فکرو دانش، سنجیدہ اسلوبِ بیان کے ماہر قلم کاروں بالخصوص اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان -رضی الله تعالیٰ عنه -کی قلمی خدمات کو سلیس اندازِ بیان میں خوش اسلوبی سے مزین کرکے طباعت کے مرحلے سے گزار کر اُن کی اشاعت وترسیل کا منظم انتظام کیا جائے اور انھیں ملک کی اہم دانش گاہوں اور معروف لائبریریوں میں ارسال کیا جائے، نیز عوام وخواص میں اُنھیں بلا قیمت مفت تقسیم کیا جائے۔

یہ بزم بحمداللہ تعالیٰ اپنے اغراض ومقاصد میں صدفی صد کامیاب وکامران ہے۔ادارے کوکفیل نہ بناتے ہوئے اِس نے اپنے ذاتی فنڈ سے نہ صرف یہ کہ اپنی مستقل لائبریری قائم کر کے اُس میں لاکھوں روپے کی کتابیں مہیا کرائیں ہیں ؛ بلکہ تقریباً سوا لاکھ روپے خرچ کر کے ۱۲ بائی ۲۵ کے ہال میں جملہ سہولیات سے لبریز ایک دیدہ زیب ''حافظِ ملت دارالمطالعہ'' بھی قائم کیا ہے۔اراکین بزم کی کارکردگی کا اندازہ اِس سے لگایا جاسکتا ہے کہ یومِ تاسیس سے لے کراب تک یہ انجمن تقریباً ہرسال کوئی نہ کوئی اہم کتاب منتخب کر کے اپنے صرفۂ خاص سے اس کی ترسیل واشاعت کا بوجھ برداشت کرتی آئی ہے۔

اگست ۱۹۸۶ءمطابق ۱۴۰۶ھ میں بزم فیضانِ رضا نے پہلی کتاب "اظهار الحق الجلی" (مصنف: امام احمد رضا خان رضی اللہ تعالیٰ عنہ) شائع کرا کر مفت تقسیم کرنے پر عوام وخواص سے دادِ تحسین وصول کی۔اِس کتاب کی طباعت کے بعد اِس بزم پر، فیضِ رضا کی ایسی برکھا برسی کہ اِس کی جانب سے علمی ،تحقیقی ،قیمتی اور معیاری کتب کی طباعت واشاعت کا سلسلہ آج تک جاری ہے اوران شاءاللہ تبارک وتعالیٰ آئندہ بھی جاری رہے گا۔

بزمِ فیضانِ رضا سے اب تک درج ذیل کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔

[۱] اظهار الحق الجلی: از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ۔

[۲] بركات الامداد: از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ۔

[۳] میلادِ مصطفی: از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ۔

[۴] سید المرسلین: از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ۔

[۵] گستاخِ رسول کی شرعی سزا: از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ۔

[۶] الحجة الفائحة: از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ۔

[۷] دس عقیدے: از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ۔

[۸] اکرامِ امام احمد رضا: از حضرت مفتی برہان الدین جبل پوری علیہ الرحمہ۔

[۹] کتاب التراویح: از غزالیِ دوراں علامہ سعید کاظمی پاکستانی، علیہ الرحمہ۔

[۱۰] فاضلِ بریلوی اور امورِ بدعت: از سید فاروق القادری صاحب۔

[۱۱] اندھیرے سے اجالے تک: از علامہ عبدالحکیم شرف قادری صاحب علیہ الرحمہ۔

[۱۲] مسائل سبعہ: از مفتی رضوان الرحمٰن صاحب مالوی۔

[۱۳] مدارِ نجات: از مولانا رضوان احمد صاحب شریفی۔

[۱۴] رضا کوئیز بک: از پروفیسر حافظ شکیل پاکستان۔

[۱۵] دینِ حسن: از استاذِ زمن علامہ حسن رضا بریلوی علیہ الرحمہ۔

[۱۶] قیامت: از پروفیسر مسعود احمد صاحب علیہ الرحمہ۔

[۱۷] جشنِ بہاراں: از پروفیسر مسعود صاحب علیہ الرحمہ۔

[۱۸] عظمتِ نماز: از علامہ ساجد علی صاحب مصباحی۔

[۱۹] بولتی تصویریں: از ڈاکٹر جابر شمس صاحب مصباحی۔

[۲۰] ادلۂ ایمانیہ شرحِ قصیدۂ نعمانیہ: از سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی۔

[۲۱] تابناک موتی (اردو ترجمہ: الدرر السنیۃ فی الرد علی الوہابیہ): از سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی۔

[۲۲] عقائد ونظریات: از علامہ عبدالحکیم شرف القادری علیہ الرحمہ۔

[۲۳] حقیقتِ محمدی (اردو ترجمہ الجزء المفقود من الجزء الاول من المصنف) از: سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی۔

[۲۴] تجلیاتِ امام احمد رضا۔

[۲۵] داستانِ غم یعنی یادِ اختر ازہری (الیکٹرانک ایڈیشن): از مفتی فاروق خاں مہائمی مصباحی

[۲۶] امام احمد رضا اور تصوف: (الیکٹرانک ایڈیشن): از مفتی فاروق خاں مہائمی مصباحی

[۲۷] اشرف السیر: از شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی مصباحی علیہ الرحمہ

[۲۸] اجالوں کا سفر (المنقذ من الضلال کا اردو ترجمہ): از امام غزالی علیہ الرحمہ

یہ ۲۸ رکتابوں کی وہ فہرست ہے جو بزمِ فیضانِ رضا کی طرف سے شائع ہو کر مقبولِ عام ہو چکی ہیں، کتابوں کی طباعت واشاعت وتقسیم کے علاوہ بھی طلبہ کی دیگر سرگرمیاں ہیں، جو قابلِ تحسین بھی ہیں

اور لائقِ تقلید بھی۔ اِن کی تعلیمی سرگرمیوں کا خاکہ ملاحظہ فرمائیں:

دعوتی، فکری اور معلوماتی مضامین سے آراستہ پندرہ روزہ چار جدارئیے پابندی کے ساتھ منظرِ عام پر لانا۔ اُن کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) المصباح: عربی (۲) خیابانِ حرم: فارسی (۳) پیغامِ ساحلِ ملت: اردو (۴) Edify of Sahil e Millat: انگلش

اساتذۂ کرام کی نگرانی میں ہفتہ واری چار بزموں کا انعقاد۔ یہ کیف آفریں اور روح پرور بزمیں درج ذیل خصوصیات کی حامل ہوتی ہیں۔

[۱] بزموں کا انعقاد بروزِ پنج شنبہ از: صبح ۱۰:۱۰ تا ۱۲:۳۰ چار بڑے ہالوں میں ہوتا ہے۔

[۲] ہر بزم میں چار طلبہ کی خطابت، چار کی نعت خوانی اور چار کی قراءت ہوتی ہے۔

جب کہ چار چار طلبہ مختلف عناوین پر تین تین احادیثِ کریمہ اور دیے گئے مسائلِ فقہیہ حفظ کر کے باحوالہ پیش کر کے دادِ تحسین حاصل کرتے ہیں۔

عقائد و معمولات اور احکامِ فقہیہ پر وقتاً فوقتاً کوئیز کونٹسٹ کرانا۔

نعت و خطابت کی خصوصی مزاولت کے لیے طلبہ کے مابین مسابقۂ نعت و خطابت کرانا۔

اپنے موقر اساتذۂ کرام کے زیرِ سایہ رہ کر ہر سال ایک عظیم الشان محفل بنام ''جشنِ امام احمد رضا'' منعقد کر کے، ملک کے مایۂ ناز علما اور خطبا کو بلا کر اُن کے مقدس ہاتھوں سے مطبوعہ کتاب کی رونمائی کرانا۔

مطبوعہ کتاب کو مدارسِ اسلامیہ کی لائبریریوں، مشائخِ کرام اور ائمۂ مساجد کی بارگاہوں تک مفت پہنچانا۔

تحفظِ ناموسِ رسالت، تشہیرِ مسلکِ اعلیٰ حضرت اور فکرِ امام احمد رضا کی اشاعت کے لیے ٹھوس و مضبوط اقدام کرتے رہنا۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر و ستائش ہے کہ طلبہ، بزم کی سرگرمیوں کے نتیجے میں سال بھر خرچ ہونے والی رقم کا انتظام و اہتمام خود ہی کرتے ہیں، سرمایہ کے بوجھ سے اراکین و منتظمین کی پشتوں کو گراں بار نہیں کرتے۔ اِس بزم پر اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے فیوض و برکات کی برکھا ایسی برس رہی ہے کہ اِنھیں قلتِ

سرمایہ کی شکایت کبھی نہیں ہوتی، بلکہ ہر سال بزم کے جملہ اقدامات بحسن وخوبی پایۂ تکمیل تک پہنچ جاتے ہیں، فالحمد للہ علیٰ ذٰلك۔

طلبۂ کرام کی پیہم تگ و دو اور مسلسل کاوشیں آج بھی جاری ہیں اور آج بھی یہ نونہالانِ اسلام اپنے خونِ جگر سے ملکی سطح پر علمی و دینی گل بوٹے اگا رہے ہیں۔ اِس سال اِن فیروز بخت نوجوانوں کی جانب سے راقم کی کتاب ''مختصر سیرتِ شمس الضحیٰ'' زیورِ طباعت سے آراستہ ہوکر منظرِ عام پر آرہی ہیں۔

اِس کتاب کی طباعت واشاعت یقیناً علمی حلقوں میں اِن طلبۂ محبوبِ سبحانی کی زریں خدمت شمار ہوگی۔ ہمیں یقین ہے کہ جہاں ایک طرف اہلِ علم اِن باذوق وسعادت مند طلبہ کی سراہنا کریں گے اور انھیں اِس انتہائی اہم اور کامیاب پیش رفت پر دادِ تحسین سے نوازیں گے وہیں دوسری طرف عوام وخواص اِن کتابوں کے بطن سے نکلنے والے انوار سے مستنیر ومستفید ہوں گے اور انھیں خاطر خواہ پزیرائی حاصل ہوگی۔

❁ اراکینِ بزمِ فیضانِ رضا ۲۰۲۱/۲۲ء مطابق ۱۴۴۲/۴۳ھ کے مندرجہ ذیل سبھی حضرات پوری ملت کی طرف سے بجاطور پر شکریے کے حق دار ہیں:

(۱) صدر عالم رضی، جماعت فضیلت (صدر)

(۲) محمد احمد، جماعت فضیلت (نائب صدر)

(۳) تبریز حسین، شعبۂ حفظ (نائب صدر)

(۴) محمد مختار احمد، جماعت فضیلت (خزانچی)

(۵) محمد خلیل اللہ، جماعت سادسہ (نائب خزانچی)

(۶) مستقیم خان، جماعت فضیلت (رکن مجلسِ شوریٰ)

(۷) عبدالرحمن // //

(۸) ساجد حسین // //

(۹) عسجد رضا // //

(۱۰) راشق حسین، جماعت سابعہ //

(۱۱) سمیر رضا // //

(۱۲)اقبال انصاری، جماعت سادسہ //

(۱۳)عبدالقادر // //

(۱۴)عرفان // //

(۱۵)افضل خان، جماعت خامسہ //

(۱۶)شمیم اختر، شعبۂ حفظ //

(۱۷)افضل حسین، // //

دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ''بزمِ فیضانِ رضا'' کے جملہ اراکین و منتظمین بالخصوص حضرت مولانا مفتی فاروق صاحب قبلہ مصباحی کی اِس کاوش کو مقبولیت کا جوہر بخش کر اِنھیں وہ جزا عطا فرمائے جو اُس کی شانِ کریمی کے لائق ہو، مستقبل میں بھی اِن حضرات کو، مشائخِ کرام کی قلمی خدمات کو متعارف کرانے کی توفیق مرحمت فرمائے اور دینی کتب و رسائل کی اشاعت و ترسیل کے لیے اِن کی عقل و فکر کو دوآتشہ بنائے! آمین

بجاہ حبیبہ سید المرسلین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا مولانا محمد و علیٰ آلہ و صحبہ و بارك وسلم

از: خاکسار

سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی عفی عنہ

صدر المدرسین: دار العلوم محبوبِ سبحانی، کرلا ویسٹ، ممبئی ۰۷

E-mail:smikram786@gmail.com

۱۴/صفر المظفر ، ۱۴۴۳ھ

۲۳/ستمبر ۲۰۲۱ء

فون:9029249679

مصنف کی دیگر تصنیفات

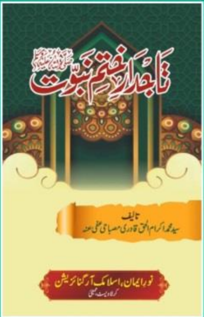

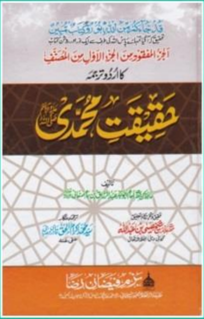

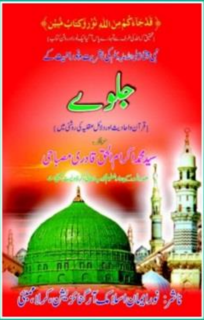

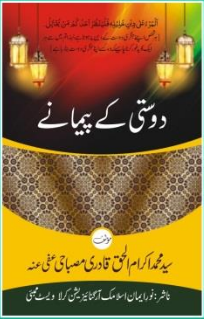

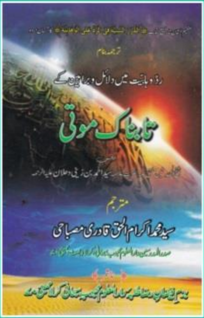

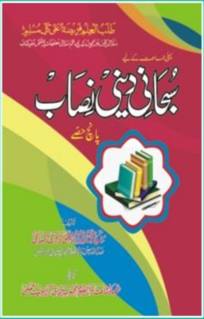

Publisher

BAZME FAIZANE RAZA

Talba-e-Darul Uloom Mehboobe Subhani

Imam Ahmad Raza Chowk, New Mill Road, Kurla (west) Mumbai-70